فکری تربیت کی اہمیت

سیرت طیبہ ﷺ و اُسوہ اَنبیاء کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی
پرنسپل قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج لیاقت آباد کراچی
چیف ایڈیٹر: علوم اسلامیہ انٹرنیشنل

ABSTRACT

Prof. Dr. Salahudden Sani

The Significance Of Intellectual grooming in the light of Prophet Muhammad ﷺ conduct and that of the way of life of Prophets.

Training is a comprehensive word in Arabic which includes all kinds of training such as worship training , education training, missionary training, physical training, moral and ethical training, training for collective affairs, parents training regarding children and children training regarding parents and intellectual training and so on. Amongst the above mentioned various aspects of training the most significant one is Intellectual grooming because human salvation is not based upon what a person is practicing but upon what is his belief. In this regard foundation of faith is directly related to what an individual (He or she believes in.)

In the beginning of the thesis significance of training and its maturity along with four objectives of the advent is mentioned.

This thesis also discusses the method of intellectual and practical training with the examples as Role Models of prophets are set an example. The thesis is concluded by stressing upon the importance of intelltual grooming and mention of the qualities of trainers.

اللہ نے انسان کی تخلیق کے ساتھ اسے بہترین انسان بنانے کے لئے تعلیم و تربیت کا انتظام بھی فرمایا تا کہ انسان حقیقی معنوں میں ''خلیفہ'' اور احسن تقویم کا مظہر ہو۔ سونا کتنی ہی اعلیٰ کوالٹی کا کیوں نہ ہو ہیرا کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو جب تک سنار اور جوہری اسے تراشتا وسنوارتا نہیں اس کا حسن نکھرتا نہیں ہے، یہی حال انسانی تربیت کا ہے۔

قرآن سے چار مقاصد بعثت نبوی ﷺ معلوم ہوتے ہیں، جو دعاء ابراہیمی کا مظہر اور امت مسلمہ پر احسان (مَنَّ) کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ ۱۔ تلاوت کلام اللہ، ۲۔ تزکیہ یعنی فکری تربیت، ۳۔ احکامات الٰہیہ کی تعلیم، ۴۔ حکمت و بصیرت کی تعلیم۔

یہ مقاصد انسان کی فطرت کے مطابق ہیں اور ''فطرت اللہ'' کے قریب لانے کا ذریعہ ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام کے قصص سے معلوم ہوتا ہے ہر نبی نے فکری تربیت کا فریضہ انجام دیا۔

قرآن نے فکری تربیت کی اہمیت و ضرورت پر مہر ثبت کرتے ہوئے اعلان کر دیا:

ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہٖ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء(۱)

یعنی انسان کی نجات کا مدار عقیدہ اور فکر پر ہے، عمل پر نہیں، لہٰذا عمل کے مقابلہ میں عقیدہ یعنی فکری تربیت پر توجہ دینی چاہئے۔ اس مقالہ میں قرآن وسنت کے دلائل سے ثابت کیا گیا کہ **''فکری تربیت فرض ہے''** یہ فریضہ سب سے پہلے انبیاء پر عائد کیا گیا ہے، پھر علماء اور والدین پر اس کے بعد معاشرہ کے کرتا دھرتا ارباب حل وعقد پر، اگر لوگ اس سے روگردانی کریں گے تو اجتماعی عذاب مسلط ہوگا۔ کسی شاعر نے اسی نکتہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

خشت اول چوں نہد معمار کج تاثریا می رود دیوار کج

انسانی زندگی کے لئے تربیت کی اہمیت:

آج کا انسان منظم معاشرتی زندگی بسر کر رہا ہے، اسے اس امر کا شائد احساس نہیں کہ اس تنظیم کے حصول تک اسے کتنے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ منظم معاشرتی زندگی نے

انسان کو بلاشبہ بے پناہ نعمتیں عطا کی ہیں۔ انسانی کاوشوں نے جو اجتماعی ادارے تخلیق کیے اور پروان چڑھائے ہیں، وہ اس کی فطری وسعتوں اور عملی عظمتوں کا احساس دلاتے ہیں۔ اجتماعی شعور رکھنے والا انسان جب گرد و پیش میں معاشرتی، معاشی، سیاسی، تعلیمی اور تفریحی ادارات (Institutions) دیکھتا ہے، تو اسے اطمینان ہوتا ہے۔ اسے اپنی ذات اور علائق کے بارے میں ایک گونہ تحفظ کا احساس ہوتا ہے۔ منظّم معاشرے نے انسان کو تحفظ دیا ہے لیکن اس کی بعض انفرادی خوبیاں اور شخصی حسن کی رعنائیاں اس سے سلب کرلی ہیں۔ معاشرہ ایک غیر مرئی وجود ہے اور اس کے تمام اجتماعی مظاہر افراد ہی کے ذریعے اور افراد ہی کے حق میں یا اس کے خلاف استعمال ہوتے ہیں فرد اور اجتماع کی یہ کشمکش تخریب و تعمیر کا قابل توجہ منظر پیش کرتی ہے۔ شکست و ریخت اور بناؤ بگاڑ کی پوری انسانی تاریخ اس کے عزم و عظمت کی داستان ہے بظاہر تو فرد اجتماعی حالات اور معاشرتی ماحول میں جکڑا نظر آتا ہے لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرد کی باغیانہ حرکت پر سکون سمندر میں طوفانی لہروں کی شکل اختیار کرتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا اجتماعی ڈھانچہ ڈولتی کشتی کا نظارہ پیش کرنے لگتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نور وحی سے محروم علماء عمرانیات ابھی تک فرد و اجتماع کے رشتے کو سنوارنے میں مصروف ہیں اور تاہنوز آخری وقطعی فیصلہ صادر کرنے کے قابل نہیں ہیں، انفرادیت پسند فلاسفہ جن میں کانٹ، اور برگساں شامل ہیں اس بات کے مدعی ہیں کہ اصل زندگی صرف انفرادی ہے۔ حیات عمرانی کی بنا اس سے ۱۰ پتہ نہیں کہ شعور ذات اپنے تئیں مکان بسیط میں پھیلاتا ہے اس کے برعکس اجتماعیت پسندوں کا کہنا ہے کہ چونکہ فرد کی شخصیت عمرانی ماحول میں نشو ونما پاتی ہے اور اس کا اظہار جماعت میں اور جماعت ہی سے ممکن ہے، نیز اس کے جملہ قوائے ذہنی و روحانی اس مخصوص جماعت کی ضروریات و حوائج کے سانچے میں ڈھلتے ہیں، جس میں بخت و اتفاق نے اسے جنم دیا ہے، اس لئے اصل چیز اجتماعیت ہی ہے عہد حاضر کی اشتمالیت وفسطائیت اس تخیل کی مظہر ہیں۔

غیر مومنانہ شک کے بجائے علم حقیقی کی صداقتوں کو بنیاد بنانے والوں کے ہاں فرد اور

اجتماع کے مابین تعلق کا ایک حیرت انگیز توازن پایا جاتا ہے، اسلام انسان کے اجتماعی شعور کو ملحوظ رکھتا ہے، باہمی میل جول سے پیدا ہونے والی اجتماعیت کو تسلیم کرتا ہے اور اس کی نشو ونما میں معاونت کرتا ہے، وہ ایسے فطری اصول مہیا کرتا ہے جن سے اجتماعیت کو تقویت پہنچتی ہے۔ اس کے لئے صالح بنیادیں فراہم کرتا ہے اور ایسے عوامل کا قلع قمع کرتا ہے جو اس کے اندر بگاڑ کا باعث بنتے ہیں۔ وہ تمام اجتماعی اداروں کے لئے اصول وقوانین فراہم کرتا ہے جن سے مفید اور غیر مفید جمعیتوں کی تمیز پیدا ہوئی ہے، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا:

الا کُلکم راعٍ و کلکم مسؤل عن رعیته (۲)

سنو! تم سب نگران و ذمہ دار ہو اور تم سب سے ماتحت افراد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ ”اسلام فرد کی انفرادیت کو بنیاد قرار دیتا ہے اور اجتماعیت کو فرد ہی کی اصلاح و فلاح کا وسیلہ قرار دیتا ہے۔(۳) تمام انبیاء کے مشن میں بالعموم اور خاتم النبیین کے پروگرام میں آئیڈیل معاشرے کی تشکیل انہی تربیت یافتہ افراد ہی کی بدولت ہو سکی۔ حضور ﷺ کی تعلیمات میں فرد کو اس امر کا احساس دلایا گیا ہے کہ وہ اپنے اعمال کا تنہا ذمہ دار ہے جو سزا اسے ملتی ہے اسے کوئی دوسرا نہیں بھگتے گا، معاشرتی جرائم کی ایک سزا تو اجتماعی ہے جسے معاشرہ ہی نافذ کرتا ہے، لیکن اس کا انفرادی معاملہ اس کے رب کے ساتھ ہے جسے اس کو ہی نمٹانا ہے، کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوگا، لہٰذا اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہئے اور اپنا فرض پورا کرنے میں دوسرے کا منہ نہیں دیکھنا چاہئے، اس سے یہ نہیں دیکھنا کہ فلاں شخص نیکی نہیں کر رہا تو میں کیوں کروں؟ اسے صرف اپنا دامن گناہوں سے محفوظ رکھنا چاہئے، اس کا معاشرتی فائدہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنا احتساب کرتا ہے اپنی اصلاح کرتا ہے اور اپنی برائیوں کے لئے دوسرے کو نمونہ نہیں بناتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر اکا دکا کہیں کوئی کسی نازیبا حرکت کا ارتکاب کر بیٹھے تو وہ اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا ہے، عریاں سمجھتا ہے اور اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو جاتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ (۴)

اپنی فکر کرو جب تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔

ردکی اس ذمہ دارانہ حیثیت کو مختلف پیرایوں میں اس طرح بیان کیا گیا:

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرَى (۵)

اور جو کوئی برا فعل کرتا ہے تو اس کا نقصان اسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا – (۶)

اگر اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے ہی نفع کے لئے اچھے کام کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمہاری جان پر ہوگا۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے فرد کی شخصیت کا ارتقاء اور اس کی ذات کی تکمیل مطلوب ہے، دین کا مخاطب فرد ہے، اللہ کی عبدیت اور اطاعت کی فرد کو دعوت دی گئی ہے حقوق و فرائض فرد پر عائد کئے گئے ہیں۔ امر و نہی کے احکام فرد کو دیئے گئے ہیں۔ طاعت و جزا کی امید فرد کو دلائی گئی ہے، اسی نظام فکر و عمل میں فرد ہی وہ اصل اکائی ہے جس کو ابتداء میں عامل کی حیثیت سے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسی کی عقل اور جذبات سے یہ اپیل کرتا ہے اسی کو اپنی ہدایت اور رہنمائی کا مخاطب بناتا ہے اسی کی فلاح کا طالب ہے اور اسی کو خسران سے بچانا چاہتا ہے اگر فرد اپنی جگہ ناقص رہ جائے اور اپنی شخصیت کو پستی میں گرا دے تو آخری فیصلے میں اس کی جماعت اور اجتماعی جماعت کی خوبی اس کے لئے کچھ بھی نافع نہیں ہوسکتی، جس سے وہ دنیا میں تعلق رکھتا تھا۔

- پھر اس بات کو قرآن مجید نے آخرت کی فکر میں بڑی کثرت سے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت سے پیش ہوگا اور اسی حیثیت سے اپنے اعمال کا نتیجہ دیکھے گا، یعنی جس طرح فرد کی شخصیت انفرادی ہے اس کی ذمہ داری بھی انفرادی

ہے۔

غیر الہامی معاشروں نے اپنے افراد کی تربیت کا مقصد اچھا شہری بنانا قرار دیا ہے، لیکن اچھا شہری ایک ایسی اصطلاح ہے جسے ہر معاشرہ اپنے معیار پر جانچے گا اور اس کے لئے کوئی ہمہ گیر اصولی ضابطہ نہیں دیا جا سکتا۔ وطن پرستی، نسل پرستی، قوم پرستی، ترک دنیا و علاقائی مسائل، دنیا سے بے رغبتی یا اپنے قومی مفاد کی خاطر دوسروں پر ظلم و تشدد تک سب کچھ اچھے شہری کے اوصاف میں آ سکتا ہے، اسلام کا مقصد فرد کو ایک اچھا انسان بنانا ہے، وہ اس کے جوہر انسانیت کی نشو و ارتقاء کا اہتمام کرتا ہے اور اسے رحمت کا پیغامبر بنا کر معاشرے میں بھیجتا ہے اس نے اعلان کیا ہے:

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ -(۷)

تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو درحقیقت اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

پیغمبرانہ نقطہ نظر سے فرد کی تربیت کا مقصد اس کی شخصیت کی ایسی متوازن تعمیر ہے جس سے نہ صرف یہ کہ وہ خود صالح ہو بلکہ معاشرے میں صالحیت کی نشو ونما کا باعث و داعی بنے۔ یہ صالح اور متقی انسان وہ ہے جو اللہ کی بندگی کرتا ہے اور زندگی کے ہر معاملہ میں صرف اللہ کی ہی رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ وہ پوری زندگی اس ارشادِ ربانی کا مصداق بن کر رہتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُونِ -(۸)

میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لئے نہیں بنایا کہ وہ عبادت کریں۔

ہر ہی بلندی فکری وحدت و محبت سے حاصل ہوتی ہے:

یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ انسانی اعمال کے انضباط کا انحصار فکری یکجہتی و

پاکیزگی پر ہے فکری یکجہتی و پاکیزگی کے لئے کسی ایسی ہستی کے ساتھ تعلق ضروری ہے جو انسان کے مادی اور حسی ماحول سے بالاتر ہو، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے شعوری تعلق کو بنیاد بنایا ہے۔قرآن وسنت کی نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں توحید معبودیت اور توحید ربوبیت کے ادراک سے عبودیت کا شعور پختہ ہوتا ہے وہاں محبت الٰہی بندہ کی حیات دینی کا مقصود قرار پاتی ہے۔اس امر کا اہتمام کیا گیا ہے کہ تعلق باللہ ذات کے شعور ولاشعور کا حصہ بن جائے۔حضور ﷺ نے بچے کے کان میں اذان کہنے کا طریقہ اختیار فرمایا۔(۹) تاکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا وہ احساس تازہ ہو جائے جو عہد الست میں ہوا تھا، تعلق باللہ ہی وہ واحد اساس ہے جو انسان کو راست روی کی طرف متوجہ کرتی ہے، اور پیغمبرانہ طریق تربیت کی بنیاد ہے۔حضور اکرم ﷺ انسان کو ایسی تربیت مہیا کرتے ہیں جس سے انسان ہر لمحہ اپنے رب سے خاص تعلق رکھتا ہے اس میں خشیت الٰہی اور محبت رب کی صفات پیدا ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے گئے منہاج زندگی کی جانب رجوع کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔اس کی خلوتیں ہوں یا جلوتیں عبادت ہو یا عملی جدوجہد، صنعت وتجارت کی مصروفیت ہو یا کاروبار سیاست، صلح وآشتی کے لمحات ہوں یا نزاع وجنگ کے اوقات، اس تعلق کی معراج یہ ہے کہ حب الٰہی ہر حال میں غالب ہو۔اللہ تعالیٰ کی محبت کا تمام محبتوں پر غالب آنا اس تعلق کا فطری نتیجہ ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ (۱۰)

اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ہمسر ٹھہراتے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرنی چاہئے اسی طرح دوسروں سے کرتے ہیں لیکن جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھنے والے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل ایک اور آیت میں بیان فرما دی تاکہ کسی قسم کا ابہام باقی نہ

رہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ O (۱۱)

اے رسول ﷺ! مسلمانوں سے کہہ دیجئے اگر تمہیں اپنے باپ دادا، بیٹے بھائیوں، بیویاں اور رشتہ دار اور وہ اموال جو تم نے بڑی محنت سے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم بڑے ڈرتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم بہت عزیز رکھتے ہو اگر ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہو اور پھر انتظام کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو جائے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ہے۔

کتب حدیث میں الحب فی اللہ تعالیٰ کے ابواب میں آنحضور ﷺ کے مختلف ارشادات منقول ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے حب الٰہی کمال ایمان و دین ہے۔

عن انس عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان: ان یکون اللّٰہ ورسوله احب الیه مما سوا هما وان یحب المرءَ لاَ یُحِبه الا للّٰہ وان یکره ان یعود فی الکفر کمایکره ان یقذف فی النار—(۱۲)

حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جس شخص میں پائی جائیں اسے ایمان کی لذت حاصل ہوگی وہ شخص جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ سب سے

زیادہ محبوب ہو وہ بندے سے صرف اللہ کی خوشنودی ورضامندی کے لئے
محبت کرے اور وہ شخص جو ایمان لایا ہو اور پھر کفر کی طرف واپس جانا ایسا
ہی برا جانتا ہو جیسا کہ اس امر کو برا سمجھتا ہے کہ اسے آگ کے اندر ڈالا
جائے۔

بندہ جب اپنے رب کی محبت کو اپنے قلب ودماغ میں نشوونما دیتا ہے اور اس کی فکر و عمل کے دائرے اس مرکز سے شروع ہوتے ہیں اور اسی پر ختم ہوتے ہیں تو پھر اسے محبوبیت و معیت کا مقام حاصل ہوتا ہے جو فی الواقعہ فرد کی زندگی میں معراج کی حیثیت رکھتا ہے۔
قرآن کریم میں اس معیت کی جانب یوں اشارے ملتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ○ (۱۳)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی بھی ہیں اور محسن بھی۔

مصائب ومشکلات میں یہ معیت سکون واطمینان اور اعتماد وشجاعت کا باعث بنتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے احساس معیت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا:

إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ - (۱۴)

بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے یقیناً میری رہنمائی کرے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے موقع پر اس احساس معیت کا اظہار اس تبلیغی انداز سے فرمایا کہ قلب وجان سکون وطمانیت سے معمور ہو جاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا - (۱۵)

غمگین نہ ہو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس رویہ کی وضاحت فرمائی ہے جو بندے کی محبت کے نتیجے میں ظاہر ہوتا ہے:

عن اَبی هريرةؓ ان رسول اللّٰه قال: ان اللّٰه اذا احب عبداً دعا
جبريل فقال اِنی احب فلاناً فاحبه قال: فيحب جبريل ثم

ینادی جبریل فی السماءِ ان اللّٰہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اھل السماءِ ثم یوضع لہ القبول فی اھل الارض— واذا ابغض اللّٰہ عبداً دعا جبریل فیقول: انی اُبغض فلاناً فابغضہ قال: فیبغضہ جبریل ثم ینادی فی اھل السماءِ ان اللّٰہ یبغض فلاناً فابغضوہ قال: فیبغضونہ ثم توضع لہ البغضاء فی الارض—(۱۶)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ، پھر جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت رکھتا ہے، پھر اس بندہ کے لئے زمین میں بھی قبولیت رکھ دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ناپسند کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں بندے کو ناپسند کرتا ہوں تو بھی اسے ناپسند کر، جبریل بھی اسے ناپسند کرنے لگتے ہیں اور آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو ناپسند کرتا ہے تم بھی اسے ناپسند کرو، اور پھر اس کے لئے زمین میں بھی ناپسندیدگی رکھ دی جاتی ہے۔

حقیقی محبت فکری پختگی کو جنم دیتی ہے:

جب مقصود قربِ الٰہی ہے تو اس کے حصول کا طریقہ بھی آنا چاہئے، قرآن وسنت نے محبت خداوندی اور معیت الٰہیہ کے حصول کا طریقہ بھی بیان کیا تاکہ مسلمان کو کسی طرح کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے، فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ— (۱۷)

آپ ﷺ کہہ دیں اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو،

اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

آنحضور ﷺ کا اتباع محبوبیت الٰہی کا باعث ہے، یہی وہ معیار ہے جس سے راستے اور منزل کا صحیح تعین ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس طریقے کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا، حدیث قدسی ہے:

مایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببتهُ فکنت سمعه الذی یسمعُ به وبصره الذی یبصرُبه ویده الّذی یبطشُ بها ورجلهُ– التی یمشی بها وان سألنی لا عطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه–(۱۸)

بندہ برابر طاعات و عبادات کے ذریعے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ اسے محبوب بناتا ہوں اور جب میں اس سے پیار کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس کے ذریعے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہے، جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں ہی اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے کچھ طلب کرتا ہے تو میں دیتا ہوں اور وہ میری پناہ چاہتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔

سورۃ المزمل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ابتدائی آیات دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہیں: حضور اکرم ﷺ کو جن اعمال کا حکم ہو رہا ہے وہ فی الحقیقت قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً ○ نِصْفَهُ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً ○ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلاً ○ اِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلاً ثَقِيْلاً ○ اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْءً ا وَّاَقْوَمُ قِيْلاً ○ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحاً طَوِيْلاً ○ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ

وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً ○ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ
فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلاً ○ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاھْجُرْھُمْ ھَجْراً
جَمِیْلاً ○ وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَۃِ وَمَھِّلْھُمْ
قَلِیْلاً○(١٩)

اے کمبل اوڑھنے والے! کھڑے رہا کریں رات کو مگر تھوڑی دیر کے لئے ،آدھی رات یا اس سے بھی کم کر لیا کریں، یا بڑھا دیا کریں اور قرآن کو آہستہ آہستہ پڑھا کریں، بلاشبہ ہم آپ ﷺ پر بھاری حکم کا بوجھ ڈالنے والے ہیں۔ تحقیق رات کا اٹھنا نفس کو کچلنے میں سخت (موثر) ہے، اور بہت سیدھا کرنے والا ہے بات کو۔ بلاشک آپ ﷺ کے لئے دن میں سلسلہ تبلیغ بڑا مشغلہ رہا کرے گا اور اپنے پروردگار کا ذکر کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو جاؤ وہ پروردگار ہے مشرق و مغرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کو اپنا سازگار بنالو اور جو کچھ آپ ﷺ کی نسبت (یہ کافر) کہتے ہیں ان پر صبر کریں، مجھ کو اور ان خوشحال و دولت مند جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیں (میں ان سے بھگت لوں گا) اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیجئے۔

مسلمان صوفیاء نے ان ہی آیات سے تربیت کے دس اصول مستنبط کئے ہیں مثلاً:

☆ آخر شب کو اٹھنا۔ نماز تہجد پڑھنا۔
☆ نماز تہجد میں ترتیل کے ساتھ قرآن کریم پڑھنا۔
☆ ایسا مجاہدہ جس سے نفس امارہ مغلوب ہو۔
☆ ذکر اسم ذات
☆ علائق مادی سے قطع تعلق کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہونا۔
☆ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل توکل

☆ اغیار کے اعتراضات پر صبر۔

☆ خوش اسلوبی کے ساتھ مخالفین سے کنارہ کشی۔

☆ تکذیب خلق کے جواب میں بحث ومباحثہ سے گریز۔

☆ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔

گویا تعلق باللہ کو مستحکم کرنے کے لئے عبادت، ذکر الہیٰ، مجاہدہ نفس اللہ تعالیٰ کے احسانات کا احساس اور دعاء وہ عناصر ہیں، جنہیں پیش نظر رکھنا ضروری ہے، دین کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ قرآن وسنت اور دینی ادب میں ان موضوعات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، اس مقالہ میں صرف اشارات سے کام لیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے انسانیت آموزی اور انسان سازی کے مشن کی تکمیل کے لئے معلم و مربی کا فریضہ منتخب فرمایا۔ وہ لوگ بے حد خوش نصیب ہیں جنہیں یہ عہدہ ملا۔

اسلامی نقطۂ نظر سے بنی نوع آدم نے اپنے سفر کا آغاز تاریکی اور جہالت سے نہیں بلکہ علم اور روشنی سے کیا ہے۔ چنانچہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تخلیق آدمؑ کے بعد خالق کائنات نے انسانِ اوّل (حضرت آدمؑ) کو سب سے پہلے جس عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا وہ علم تھا "علم" ہی کی بدولت اللہ نے حضرت آدمؑ اور بنی نوع آدم کو جملہ مخلوقات پر عزت وعظمت اور فضیلت بخشی۔ اسے لائق عزت وتکریم ٹھہرایا گیا۔ علم وحکمت کے مثالی اور ابدی خزینے، صحیفہ ہدایت قرآن کریم نے ایک بڑا معنی خیز اور فکر انگیز مکالمہ نقل کیا ہے، جو تخلیق آدم کے وقت اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان ہوا تھا، اس مکالمے کا آغاز اس طرح ہوا:

وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (۲۰)

"اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں"

پھر فرمایا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ○ (۲۱)

''اور اللہ نے آدمؑ کو تمام اسماء کی تعلیم دی''

اشیاء کا علم ہی ہے جو بنی نوع انسان کو باقی مخلوق حتیٰ کہ ملائکہ پر بھی عزت وعظمت اور فضیلت عطا کرتی ہے اسے جملہ مخلوق سے ممیز اور مسجودِ ملائک کا تاجِ زریں عطا کرتی ہے۔''سورہ بنی اسرائیل''میں اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝ (۲۲)

''تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی ہم نے انہیں خشکی اور دریا میں سواری دی، اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوق پر بڑائی دے کر فضیلت دی۔''

''علم''قیادت کا خاصہ (۲۳) اور ان اہم ترین عوامل میں سے ہے جو کسی تہذیب کے صحت مند ارتقاء اور نشوونما کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ (۲۴) یہی وجہ ہے کہ جہاں دنیا کے دیگر نظاموں نے ''تعلیم'' کو زیادہ سے زیادہ بنیادی ضروریات میں سے ایک ضرورت سمجھا، وہاں باعث تخلیق کائنات، ہادی اعظم، معلم بنی نوع آدم، حضرت محمد ﷺ نے اسے اوّلین ضرورت قرار دیا۔ ابلاغِ علم اور تعلیم وتربیت کو امت کا بنیادی فریضہ قرار دیا گیا۔ تعلیم اور علم کی بنیاد پر بنی نوعِ آدم کی جملہ مخلوق پر عظمت وفضیلت اور خلافت ارضی کے حوالے سے قرآنِ کریم میں ارشاد کہا گیا:

وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ (۲۵)

''اور خرچ کرو اس میں سے جس میں اس نے تمہیں خلیفہ بنایا ہے''۔

تربیت ہی فطرت کو جلا بخشتی ہے

قرآن حکیم میں ارشادِ مبارک ہے:

لَقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (۲۶)

''ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا ہے''۔

ابن العربی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے انسان سے بڑھ کر کوئی خوبصورت چیز پیدا نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے عظیم صفات سے متصف فرمایا، اسے حی، عالم، قادر، صاحب ارادہ، معلم، سننے والا، صاحب بصیرت مدبر اور حکیم بنایا'' (۲۷) انسان سونا ہے بلکہ ہیرا ہے لیکن جب تک سنار اور جوہری اسے تراشتا و سنوارتا نہیں، اسے صیقل نہیں کرتا وہ نکھرتا نہیں، یہی حال انسانی تربیت کا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں انسان کے اندر بیرونی جہاں کی تمام خصوصیات ودیعت رکھی گئی ہیں، اس کے اندر عالم روح کے نازک حقائق بھی موجود ہیں اور عالم خلق کے اہم عناصر بھی اسی طرح نفس ناطقہ بھی موجود ہے، جو خود عالم عناصر کی پیداوار ہے۔ انسان کی اسی جامعیت کے سبب کائنات کی تمام خصوصیات اس میں موجود ہیں۔ اس کے اندر مَلَکِیْ (فرشتوں کی) صفات بھی موجود ہیں، اور درندوں کی خصوصیات بھی۔ چوپاؤں کی کیفیتیں بھی پائی جاتی اور شیطانی خبائث بھی۔ یہ ان صفات الٰہیہ سے متصف ہے، جو حیات، علم قدرت، ارادہ سمع بصر، کلام اور محبت سمیت صفات الٰہیہ کا پرتو ہیں۔ یہ نور عقل سے مزین ہے۔ یہ انوارِ ظلی اور انوار حقانیہ وذاتیہ کا مورد ہے۔ انہیں خصوصیات کے سبب اسے خلعت خلافت عطا کی گئی اور اسی سبب سے اسے انی جاعل فی الارض خلیفہ (۲۸) (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) فرمایا گیا۔ جو صفات اوپر بیان ہوئی ہیں۔ تمام صفات انسانوں میں پیدائشی طور پر موجود ہیں۔ مگر بالقوہ، بالفعل نہیں۔ ان میں مفید اور مثبت صفات کو روبہ عمل لانا اور انہیں متحرک کرنا نیز منفی صفات اور ان کے مقتضائے عمل کو دبانا ہی منشائے خداوندی ہے۔ یہی حکم خداوندی بھی ہے اور یہی غرض و غایت اولیں بھی۔ (۲۹)

دعاء خلیل و بعثت نبوی ﷺ

دین حنیف کے داعی اکبر ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ جب مرکز ملت اور مرکز توحید کعبۃ اللہ کی بنیادیں اٹھا چکے تھے، اس وقت انہوں نے اللہ عزوجل سے اہل عرب میں ایک

نبی مبعوث کئے جانے کی دعا فرمائی،

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ٥ (٣٠)

''اے ہمارے پروردگار، ان کے اندرانہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جوانہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، جوانہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اوران کے نفس کا تزکیہ کرے۔''

گویا یہ تعمیر کعبہ کے بعد مزدور کی مزدوری و معاوضہ کا مطالبہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعمیر کے بعد اپنی آئندہ نسل کی فلاحِ دنیا و آخرت کے واسطے حق تعالیٰ سے دعاء کی کہ میری اولاد میں ایک رسول بھیج دیجئے، جوان کو آپ کی آیات تلاوت کر کے سنائے، کتاب وحکمت کی تعلیم دے اوران کو ظاہری و باطنی آلائشوں سے پاک وصاف کردے۔ حدیث میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی اور حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ جواب ملا کہ یہ رسولِ اعظم رسالت عظمیٰ کے منصب جلیلہ پر فائز ہوکر آخری زمانے میں مبعوث ہوں گے۔ اسی بنا پر جب آپ ﷺ خاتم النبیین بن کر تشریف لائے تو روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ میں تمہیں بتاؤں کہ میں کون ہوں؟

أنا دعوةُ أبي إبراهيمؑ، وبشارة عيسىٰؑ و رؤيا امّي

''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کے خواب کا مظہر ہوں۔''

مقاصد بعثت نبوی ﷺ قرآن کی روشنی میں:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید فرقان حمید میں چار جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کے مقاصد و مناصب بیان فرمائے ہیں۔ سورۂ بقرہ کی ایک آیت اوپر گزری ہے جس میں فرمایا:

''اے ہمارے پروردگار ان لوگوں میں خود انہی میں سے ایک رسول بھیج،

جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ (پاک) کرے۔" (۳۱)

سورۂ بقرہ ہی میں آگے چل کر دوسری جگہ ارشاد ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ○ (۳۲)

"جس طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔"

تیسری آیت ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ○ (۳۳)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان لوگوں کو اس اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے (پاک کرتا ہے) اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بیشک وہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔"

چوتھی آیت میں فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ
لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ O وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا
بِهِمْ O(۳۴)

''وہ خدا ہی تو ہے جس نے ان لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ پیغمبر کی بعثت سے پہلے کھلی گمراہی میں (پڑے ہوئے) تھے اور (اس زمانے کے موجودہ لوگوں کے علاوہ) ان لوگوں کے لئے بھی اس رسول کو بھیجا جو آئندہ اس امت میں ہونے والے ہیں، مگر ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے۔

ان آیات میں بعض الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ آپ ﷺ کی بعثت کے چار مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن تیسری آیت کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کو بطور احسان ذکر فرمایا ہے اور مؤخر الذکر دونوں آیات میں تزکیہ یعنی فکری تربیت کو تلاوت کتاب کے بعد فوراً بیان کیا گیا ہے جس سے فکری تربیت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آیات کی تلاوت میں الفاظ اور معانی دونوں شامل ہیں، دونوں کا نام قرآن ہے۔ مذکورہ آیات میں تلاوت اور تعلیم کتاب کو الگ الگ بیان کرکے یہ بتا دیا گیا کہ جس طرح قرآن کریم کے معانی سمجھنا اور اس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض اور اعلیٰ عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ بھی مستقل مقصود اور عبادت ہیں۔ ان کی تلاوت و حفاظت فرض اور باعث ثواب عظیم ہے اور مسلمانوں کے نظام تعلیم کا حصہ ہے۔ اگر قرآن کریم کے معانی و مطالب کو قرآنی الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ یا کسی دوسری زبان میں لکھا جائے تو وہ قرآن کہلانے کا مستحق نہیں اگرچہ مضامین بالکل صحیح اور درست ہی ہوں۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم کے معانی و مضامین کو دوسرے الفاظ کے ساتھ بدل کر نماز میں پڑھے تو اس کی نماز ادا نہیں ہوگی۔ اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت کا وہ ثواب جو احادیث میں وارد ہوا ہے، وہ ترجمہ کی ہوئی زبان یا بدلے

ہوئے الفاظ پر مرتب نہیں ہوگا۔ اسی لئے علماء کرام نے متن کے بغیر قرآن کریم کا صرف ترجمہ لکھنے اور چھاپنے کو ممنوع فرمایا۔ جس طرح قرآن کریم کے معانی و مطالب کی تعلیم رسول کے فرائض منصبی میں داخل ہے اسی طرح الفاظ کی تلاوت اور حفاظت بھی ایک مستقل فرض ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ جو قرآن کریم کے معانی کو سب سے زیادہ جانتے اور سمجھتے تھے، انہوں نے محض سمجھ لینے اور عمل کر لینے کو کافی نہیں جانا، کیونکہ سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے تو ایک دفعہ پڑھ لینا کافی ہوتا، بلکہ انہوں نے تمام عمر قرآن کریم کی تلاوت کو جاری رکھا۔ بعض صحابہؓ تو روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے، بعض دو دن میں اور بعض تین دن میں ختم کرتے تھے۔ (۳۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیمی نظام رائج فرمایا، مقصد کے اعتبار سے وہ مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل تھا:

۱۔ تلاوت یعنی قرآنی متن (ٹیکسٹ) کی تلاوت و تبلیغ

۲۔ فکری تربیت و تعمیر کردار یعنی تزکیہ نفس (طہارت قلبی)

۳۔ تعلیم کتاب یعنی قرآنی اصول و کلیات پر مبنی علوم وفنون کی تشکیل اور منتقلی،

۴۔ حکمت یعنی بصیرت، دانائی، فراست اور اصول و کلیات کا اطلاق،

یہ چار اجزاء آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں شامل تھے۔ قرآن مجید میں چار مقامات پر ان اجزاء کو تھوڑے سے تغیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ان آیات کی روشنی میں ہمیں مقاصد تعلیم متعین کرنا ہونگے۔ ہمارا طالب علم جب فارغ التحصیل ہو تو اسے قرآن کریم سے مکمل آگاہی حاصل ہونی چاہئے، اس کا دماغ فاسد افکار و نظریات (ڈارون ازم، فرائڈ ازم، سوشلزم، لادینی جمہوریت، مارکسزم وغیرہ) سے پاک ہونا چاہئے، یعنی فکری تربیت کامل درجہ کی ہو۔ اس کے اندر صالح اور درست افکار و نظریات کے بیج کاشت کرنے چاہئیں۔ یہی تزکیہ کا مقصود و مدعا ہے۔ تزکیہ زکی، یزکی، زکوٰۃ سے مشتق ہے، جس کے معنی **المعجم الوسیط** کے مطابق: نم وزاد کے ہیں یعنی نشوونما اور زیادہ ہونا، اسی طرح صلح یعنی درست ہونے

کے ہیں۔(۳۶)

مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''تلاوت کے بعد مذکورہ بالا آیت میں تزکیہ کا ذکر آیا ہے یہ درحقیقت نتیجہ ہے تلاوت آیات کا۔ اللہ کی تلاوت سے انسان کے دل سے باطل خیالات وعقائد کی جڑیں جب کٹ جاتی ہیں تو اس کے دل کی زمین صحیح خیالات وعقائد کی تخم ریزی کے لئے بلکل پاک وصاف ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اگر فطرت فاسد خیالات اور باطل عقائد کی آمادگیوں سے نجس ہوگئی ہے تو اس کو صاف کرنا پڑے گا۔ جب تک یہ اچھی طرح صاف نہ ہوجائے کسی عمدہ تعلیم کو قبول نہیں کرسکتی۔''(۳۷)

مولانا مودودی رحمہ اللہ علیہ کے بقول:

''تزکیہ میں خیالات، اخلاقی عادات، معاشرت، تمدن، سیاست، غرض ہر چیز کو سنوارنا شامل ہے۔''(۳۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر یہ فریضہ سرانجام دیا۔ مکی زندگی میں آپ ﷺ نے دار ارقم کو مرکز تعلیم بنایا جس میں آپ ﷺ صحابہؓ کو جمع کر کے انہیں تلاوت آیات سے مزین کرتے تھے، انہیں قرآن کریم کی تعلیمات سے آگاہ فرماتے تھے اور حکمت سکھاتے تھے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر آپ ﷺ نے باقاعدہ صفہ کے نام سے ایک درسگاہ قائم فرمائی، جس میں آپ ﷺ یہ فریضہ سرانجام دیتے تھے۔

انسانوں کی تربیت نبی کے فرائض میں سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا

إنما أنا لكم بمنزلة الوالد أُعَلِّمُكُمْ (۳۹)

میں تمہارے والد کی طرح ہوں، یعنی والد کی طرح لوگوں کی تربیت آپ ﷺ کے فرائض میں شامل ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

إنما بعثت لاتمم مكارم الاخلاق (۴۰)

میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں تا کہ اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں، دوسری حدیث ہے:
انما بعثت معلماً میں معلم کی حیثیت سے مبعوث کیا گیا ہوں۔

فطرت کا مفہوم:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتی فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (۴۱)

''اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو، جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا نہیں چاہئے۔

﴿الف﴾......''فطرت'' کی دو تفسیریں ہیں: بعض کہتے ہیں کہ ''فطرت'' سے مراد دین حق کو قبول کرنے کی صلاحیت و قابلیت ہے۔

﴿ب﴾......اور بعض کہتے ہیں''فطرت'' سے مراد دین اسلام ہے۔(۴۲)

﴿ج﴾......امام خازن رحمہ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:''فطرۃ اللہ'' سے مراد وہ میلان و وجدان ہے جو پیدائش کے وقت ہر انسان کے دل میں پیوست کر دیا گیا ہے، اگر چہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے۔(۴۳)

﴿د﴾......امام قرطبی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء کا کتاب وسنت میں وارد لفظ''فطرت'' کے معنی کے بارے میں اختلاف ہے،اور اس بارے میں چند اقوال ہیں:

۱۔ فطرت سے مراد دین اسلام ہے، یہ قول حضرت ابوھریرۃ اور ابن شہاب رحمہ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں یہ معنی عام مفسرین کے ہاں معروف ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بچہ کفر سے محفوظ اور اس عہد میثاق (وعدہ) کے مطابق پیدا ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے اس وقت لیا تھا، جب ان کو صلب آدم سے نکالا تھا، اس لئے اگر بلوغ سے قبل ہی وہ وفات پا جائیں تو جنت میں جائیں گے،خواہ وہ مسلمانوں کی اولاد ہوں یا کفار کی اولاد ہوں۔

۲۔ فطرت سے مراد وہ ابتدائی حالت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا۔

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ کلامِ عرب میں فطرت کا معنیٰ ہے، ابتداء، اور فاطر کا معنی ہوگا ابتداء کرنے والا۔

۴۔ فقہاء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ فطرت سے مراد وہ تخلیقی استعداد و صلاحیت ہے جس پر بچہ کی پیدائش ہوتی ہے، یعنی ہر مولود کی خلقت میں معرفت ربّ ودیعت کردی جاتی ہے۔ (۴۴)

۵۔ ابن عطیہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ فطرت کی مختلف تفسیروں میں قابل اعتماد تفسیر یہ ہے کہ فطرت درحقیقت وہ فطرتی وصف اور جبلی صلاحیت ہے جو بچہ کے اندر رکھی گئی ہے، جس کے ذریعہ وہ مصنوعاتِ الٰہی میں امتیاز کرسکتا ہے، اپنے رب کی معرفت پر استدلال کرسکتا ہے۔ احکامِ خداوندی پہچان کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لاسکتا ہے۔

۶۔ بعض کہتے ہیں کہ فطرت سے مراد دین اسلام ہے، بعض کی رائے ہے فطرت سے مراد اللہ تعالیٰ کی معرفت کا اقرار ہے۔ اور بعض کا خیال یہ ہے کہ فطرت سے مراد ایمان ہے۔ (۴۵) قرآن حکیم میں ان تمام معانی کے مطابق فطرت کا لفظ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفاً ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ...... (۴۶)

اس آیت مبارکہ میں ''فطرت'' سے مراد دین اسلام ہے۔ فکری تربیت والدین کی بھی ذمہ داری ہے: بچہ کے پہلے مربی و معلم خود والدین ہوتے ہیں، اس لئے بچہ کی فکری تربیت والدین کی بھی ذمہ داری ہے: بچہ کی فکری گمراہی کی ذمہ داری بھی والدین پر عائد ہوتی ہے۔ جیسا کہ سورہ اعراف کی آیات سے معلوم ہوتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلاً خَفِيْفاً فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّا

أَثْقَلَت دَّعَوَا اللّٰہَ رَبَّھُمَا لَئِنْ آتَیْتَنَا صَالِحاً لَّنَکُونَنَّ مِنَ الشَّاکِرِیْنَ ○ فَلَمَّا آتَاھُمَا صَالِحاً جَعَلاَ لَہُ شُرَکَاءَ فِیْمَا آتَاھُمَا فَتَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُونَ ○ (۴۷)

یہ لوگ اللہ سے اولاد صالح کے طالب ہوتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ فطرت صالح پر انہیں اولاد عطا کرتا ہے تو اس کا شکر کرنے کے بجائے اس کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں: (۴۸)

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

کل مولود یولد علی فطرته ثم ابواه یهود انه أوینصر انه أویمجسانه (۴۹)

آپ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت صالحہ یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی مجوسی یا نصرانی بنادیتے ہیں۔

تربیت کی اصطلاحی تعریف:

احمد خلیل جمعہ تربیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عام طور پر تربیت سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ تربیت انسانی زندگی کے مختلف ادوار کے ان اثرات کا نام ہے، جو انسانی جسم، عقل اور تخلیق پر مرتب ہوں خواہ قصداً ہوں یا از خود۔ انسانی زندگی کے مختلف ادوار میں وہ دور بھی شامل ہے جو دور انسان کو ولادت سے قبل ماں کے پیٹ میں حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت کے اثرات کو بھی تربیت کے عام معنی میں شامل سمجھا جائے گا۔ اسی طرح ولادت سے لے کر موت تک کے تمام اثرات تربیت انسانی کا حصہ ہیں۔ (۵۰) تربیت ایک اجتماعی نظام ہے۔

ڈاکٹر محمد امین صاحب نے تربیت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے سنتِ نبوی ﷺ سے تزکیہ وتربیت کا جو مفہوم ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ نفس انسانی کی ایسی تربیت ہے جو اس کی ساری صلاحیتوں اور قوتوں کو اطاعتِ رب کا خوگر بنادے اور اسے رضائے الٰہی کی منزل تک لے جائے۔یعنی انسانی صلاحیتوں کی بہترین نشوونما، زندگی کے ہر معاملے اور ہر جزیئے میں (خواہ وہ زندگی کا انفرادی پہلو ہو یا اجتماعی اور خواہ داخلی پہلو ہو یا خارجی) نفس انسانی کی ایسی تربیت کہ اللہ کے احکام کی اطاعت، (خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات سے اور خواہ اخلاق وآداب سے ہو یا معاملات سے) اس کے لیے مرغوب بن جائیں اور اللہ کی خوشنودی ورضا اس کی غایت الغایات بن جائے۔(۵۱)

تربیة ربا یربو سے نمو وزیادتی کے معنی میں مستعمل ہے،یعنی کسی شئی کا تدریجا کمال تک پہنچنا قدیم عرب اس کے لئے التادیب کا لفظ استعمال کرتے تھے،اور معلم کو المؤدب کہتے تھے۔(۵۲)

قرآن کریم میں تربیت کا مفہوم دو جگہ آیا ہے:

وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيراً (۵۳)

اورقال الم نربك فينا وليداً اولبثت فينا من عمرك سنين(۵۴)

ایک محقق کی رائے کے مطابق قرآن کریم کی ۱۵۰۴ آیات اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہیں(۵۵)

مصری مفکر شیخ احمد فرید لکھتے ہیں اسلامی نقطہ نظر کے مطابق تربیت کا مفہوم ہے:

سلف صالحین کی طرح عقائد و پاکیزہ اخلاق اور اسلامی افکار کے مطابق تربیت کرنا۔(۵۶)

تربیت کے لغوی معنی پرورش کرنے اور نشوونما دینے کے ہیں۔جسمانی تربیت کا مطلب یہ ہے کہ بچہ صحت مند، توانا اور تندرست ہو، تربیت کے ذریعہ جسم کی قوتوں اور صلاحیتوں

کو حدِ کمال تک پہنچا دیا گیا ہے۔ اخلاقی تربیت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان طرزِ عمل کے اعتبار سے باوقار ومہذب ہو شستہ اور شائستہ ہو۔ اچھے اخلاق اور اچھے آداب کا حامل ہو۔ اخلاقی تربیت میں منفی پہلو بھی شامل ہیں یعنی وہ شخص اخلاق مذمومہ، عادات سیئہ، فحش اور تندی زبان سے مجتنب ہو۔ تعلیم کے ساتھ جب تربیت کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اعمال حسنہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دی جائے اور عملی مشق کرائی جائے۔

تکرار اعمال وافعال سے عادات اور ملکات کی تشکیل ہوتی ہے۔ عادات وملکات سے انسان کا کردار بنتا ہے۔ اور کردار سے انسان کی شخصیت پروان چڑھتی ہے اس لیے تربیت وسیع تر مفہوم کے لحاظ سے کردار سازی، تعمیر سیرت اور ارتقائے شخصیت کے ہم معنی ہے۔ بہر حال تربیت کا اصل ہدف کردار سازی اور تعمیرِ سیرت ہے۔

قدیم زمانہ سے تربیت اخلاق نوجوانوں کی تعلیم کا لازمی جزو رہا ہے۔ کوئی ملک ہو، کوئی قوم ہو، علوم میں مہارت کے ساتھ تربیت اخلاقِ حسنہ اور پختگی کردار کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی رہی ہے۔ یورپ میں جب لادینی تصورِ حیات کا غلبہ ہوا تو تعلیم سے تربیت اخلاق اور تعمیر سیرت کا حصہ خارج کر دیا گیا۔ (۵۷)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنے خصوصی انعام واحسان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۵۸)

ہم نے تمہارے لیے خود تمہی انسانوں میں سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا جو کتاب اللہ کی تعلیم کے ساتھ تزکیہ نفوس کے ذریعہ تمہاری تربیت کرتے ہیں اور احکام الٰہی کے ساتھ حکمت ودانش کی تعلیم دیتے ہیں۔

اس میں نبی کریمؐ کی سیرت کا ایک پہلو ''بحیثیت استاذ ومربی'' کے سامنے آتا ہے اور اس حوالہ سے ہم سب کا اس شعبہ میں شامل ہونا قابل فخر بات ہے۔ علم اللہ کی طرف سے ہے،

اس کا سرچشمہ خدا کی ذات ہے، تربیت کا ذریعہ کتاب اللہ اور سیرت رسول اللہ ﷺ ہے۔

''تربیۃ'' ربا یربُو سے اضافہ کرنے ربّیٰ یربِی سے پیدا کرنے ربّ یربّ سے اصلاح کرنے اور اہل بنانے کے معنی میں آتا ہے۔(۵۹) علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ الرّب اصل تربیت کے معنیٰ میں ہے اور تربیت کہتے ہیں رفتہ رفتہ کسی صفت کو کمال تک پہنچا دینا۔(۶۰) امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ الرب کے اصل معنی تربیت ہیں کسی کیفیت کو رفتہ رفتہ بڑھاتے ہوئے حد کمال تک پہنچا دینا۔(۶۱) جن معنوں میں ہم آج کل تربیت کا لفظ بولتے ہیں اس کے لیے قرآن وسنّت نے تزکیہ نفس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسی چیز کو ہم تعمیر سیرت و کردار بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کے لیے Traning کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور تعلیمی حوالے سے تربیتی سرگرمیوں کو غیر نصابی (Extra-Curricular) یا ہم نصابی سرگرمیاں (Co-Curricular Activities) کہتے ہیں۔ مغرب کے ہاں تربیت کا تصور انتہائی ناقص ہے۔ تعلیمی حوالے سے ان کی تربیت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ طلبہ کی فطری صلاحیتیں نکھر جائیں مثلاً بولنے اور تقریر کرنے کی صلاحیت، لکھنے کی صلاحیت یا معاشرتی آداب جیسے صاف ستھرا رہنا، ڈھنگ کے کپڑے پہننا وغیرہ۔ مغرب کے مذہبی حلقوں میں تربیت کے حوالے سے اخلاق کا تصور بھی تھوڑا بہت موجود ہے لیکن مذہب اہل مغرب کی زندگیوں سے بڑی حد تک نکل چکا ہے اور ان کی زندگیوں پر اس کے اثرات برائے نام ہیں۔

مغرب کو چھوڑیئے افسوس کی بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں بھی تزکیہ و تربیت کا تصور مسخ ہو چکا ہے۔ اب ہمارے ہاں مذہبی حلقوں میں تزکیہ و تربیت کا تصور محض اتنا ہے کہ آنکھیں بند کر کے سر جھکا کر اللہ ہو کی ضربیں لگائی جائیں۔ دوسرے لفظوں میں ذکر اور عبادات کی کثرت ہے، جہاں تک عقائد، معاملات اور اسلامی اخلاق و آداب کا تعلق ہے انہیں عملاً تزکیہ و تربیت کا جزو نہیں سمجھا جاتا بلکہ مسلم عوام و خواص کا ذوق اتنا بگڑ چکا ہے کہ وہ اسے محض چند مظاہر تک محدود سمجھتے ہیں، خواہ دیگر اسلامی احکام کی صریح خلاف ورزی ہو رہی ہو جیسے نماز نہ پڑھنا یا صاف ستھرا نہ رہنا۔

بچوں کی فکری تربیت کا منہج:

حدیث نبوی ﷺ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا ڈالتے ہیں'' (۶۲)

فطرت کے مفہوم میں صرف اقرار باللہ اور ایمان باللہ داخل نہیں ہیں بلکہ فطرت طبعاً خیر کو پسند کرتی ہے اور شر سے نفرت کرتی ہے، ایسی صورت حال میں بچوں کی ذہن سازی اور اس کے دل میں یہ حسین مفہوم بڑی آسانی سے مرکوز ہوسکتا ہے، بچوں کو تاکید کے ساتھ بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے ہم سب کو پیدا کیا، ہمیں رزق عطا فرمایا اور ہمیں بے حد نعمتیں اور فضیلتیں بخشیں۔

بچہ بلاشبہ اپنی فطرت کے سبب انھ تمام صفاتِ محمودہ کو قبول کرے گا، جو باپ اس کے دل میں مرکوز اور اس کی زندگی سے مربوط کر سکے گا۔ باشعور مربی اور ہوشمند باپ کو چاہئے کہ مناسب اوقات اور خوشگوار مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بچوں کو ایسے امور کی تعلیم دیں جو ان کے لئے مفید ہوں اور رب کریم کے ساتھ ربط و تعلق کو مضبوط کرتے ہوں، اخلاق جمیلہ کا ایسا منظر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں دیکھا جا سکتا ہے، ایک دن ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ردیف تھے، حضور ﷺ نے ان کو کچھ آداب سکھائے، جس کا تعلق اللہ تعالیٰ پر حسن توکل، مراقبہ اور اس کے حقوق و اخلاق سے تھا، حضورِ اکرم ﷺ نے ابن عباسؓ سے فرمایا اے لڑکے! کیا میں تمہیں چند ایسے کلمات نہ سکھاؤں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تجھے نفع دیں؟ ابن عباسؓ نے عرض کیا کیوں نہیں ضرور بتایئے۔

عقیدہ توحید پختہ کر کے تربیت کرنا:

حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے حقوق کی حفاظت کر، اللہ تیری حفاظت کریں گے، اللہ کے حقوق کا خیال رکھ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا، آسودہ حالی میں اسے یاد رکھ، وہ تمہیں سخت حالی میں یاد رکھے گا، اور جب تو سوال کرنا چاہے تو (صرف) اللہ سے سوال کر، اور جب مدد

چاہے تو صرف اللہ سے مدد مانگ، جو کچھ بھی ہونا ہے (وہ ہو کر رہے گا)۔ اگر ساری مخلوق جمع ہو کر تجھے نفع پہنچانا چاہے اور اللہ نے تیرے مقدر میں اسے نہیں لکھا ہے تو وہ تجھے نفع نہیں پہنچا سکے گی اور اگر تجھے نقصان پہنچانا چاہے اور اللہ نے وہ نقصان تیری تقدیر میں نہیں لکھا ہے تو وہ ایسا نہیں کر سکے گی۔'' (٦٣) یہ ہے وہ اخلاق کا تربیتی اسلوب جس کے ذریعہ بچہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ استوار ہوتا ہے اور اللہ کے سوا باقی تمام تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں، پھر وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے اور اسی ذات سے ڈرتا ہے، اور اسی کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے، اور جلوتوں کے علاوہ خلوتوں میں بھی اس کے حقوق کا پاس رکھتا ہے، اور اسی کی راہ پر کامل استقامت وقوت کے ساتھ چلتا ہے، اور ہر حال میں خواہ حالت شدت کی ہو یا رخوت کی اسی ذاتِ کبریائی کا خوف دل میں لئے رکھتا ہے۔

باپ اور مربی کو چاہئے کہ بچوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات و مصنوعات کی جانب متوجہ کرے، بچوں کو برجوں والے آسمان، روشن جگمگاتے ستاروں، خوبصورت زمین و پانی، سورج، چاند اور پہاڑوں کی طرف متوجہ کر کے پوچھے یہ سب کچھ کس نے پیدا کیا؟ اور اس خوبصورت کائنات کا نظم ونسق کرنے والا کون ہے؟ پھر ان کے دلوں میں اس کے درست جوابات ڈالے۔

بسا اوقات بعض ذہین بچے اپنے والدین یا معلمین سے سوال بھی کرتے ہیں، وہ کبھی پوچھتے ہیں کہ کائنات کا خالق وموجد کون ہے؟ اور کبھی ان کا سوال اشیاء کی طبیعت وحقیقت کے متعلق ہوتا ہے، یہ چیز اس ہیئت وشکل میں کیوں بنائی گئی ہے؟ تو والدین وغیرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ان سب کا خالق اللہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی ان مخلوقات کو پیدا کیا اور انہیں یہ صفات اور شکلیں عطا فرمائی ہیں۔

باپ کے لئے یہ بات نامناسب ہے کہ وہ اس کو ناسمجھ سمجھتے ہوئے یا یہ سمجھتے ہوئے کہ ابھی یہ اونچی باتیں نہیں سمجھ سکتا، اس کے سوالات کو مہمل جانے اور ان سے غفلت برتے۔ اس لئے کہ بچہ کی عمر کا ابتدائی مرحلہ ایسا ہوتا ہے، جس میں اس کی فطرت اپنے خالق کی شناخت

کے لئے بیدار ہوتی ہے۔

خوف الٰہی پیدا کر کے تربیت کرنا:

احمد خلیل جمعہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے حق میں بچوں کی اخلاقی تربیت کے متعلق خوف الٰہی ایک اہم نکتہ ہے، اور یہ اسلامی تربیت کا ایک اہم پہلو ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی معیت کا ہر لحہ احساس اور اس کا انسان کے تمام اعمال کے احاطہ پر قادر ہونے کا اعتقاد ہی دراصل حقیقی اخلاقی تربیت کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے۔

قرآن کریم اور اسلامی تعلیمات تربیت اولاد کے معاملہ میں بادہ اہمیت دیتی ہیں، اور اس پر بہت زور دیتے ہیں، تا کہ وہ بچہ اپنی دنیا و آخرت اور خاندان و معاشرہ کا نفع بخش فرد بن سکے۔ (۶۴)

قرآن حکیم کی بہت سی آیاتِ کریمہ میں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ٥ (۶۵)

ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں، اور ہم شہ رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

لہذا بچوں کو اس کی تعلیم دی جائے کہ دل میں جو خطرات و خیالات گزرتے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اللہ کا علم انہیں بھی اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ پروردگارِ عالم فرماتے ہیں:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۶۶)

جہاں کہیں بھی تم ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وسیع علم کی وجہ سے انسان کے ساتھ ہے وہ چاہے کہیں پر بھی ہو، ہر شے اس کے احاطہ علم میں ہے۔

احادیث نبوی ﷺ سے بھی بچوں کی تربیت کے لئے ایسے بہت سے خوبصورت طریقوں کا علم ہوتا ہے جس سے تعلق مع اللہ کی بہترین صورتیں سامنے آتی ہیں اور جس سے وہ بچہ صغر سنی ہی کی حالت میں بہترین اور پسندیدہ فرد بن جاتا ہے۔اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں حضرت علیؓ بن ابی طالب صرف دس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور مسلمان ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کی اور باطل کو پھینک دیا دنیا کے بلند ترین انسان بنے۔

ذیل میں کم عمر مجاہد صحابہؓ کے اسماءِ گرامی دیئے جاتے ہیں جنہوں نے دورِ نبوت میں چھوٹی عمر میں ہی اعلیٰ فضیلتیں حاصل کیں۔ اسامہ بن زیدؓ، اسید بن ظہیرؓ، براء بن عازبؓ اور زید بن ارقمؓ اور بہت سے صحابہؓ جنہوں نے غزوہ احد کے موقع پر کفار کے خلاف جہاد میں شرکت کی اجازت کے لئے اپنی جانیں حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کی تھیں، اگر چہ وہ اس موقع پر بہت پر امید تھے کہ انہیں اجازت مرحمت ہو جائے گی، مگر حضور ﷺ نے ان کی کم عمری اور سن طفولیت کے قریب ہونے کی بناء پر انہیں اجازت عطا نہیں فرمائی تھی اور ان کو واپس بھیج دیا تھا۔

ایک روز رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ O (٦٧)

اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

جب آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تو ایک جوان جس کے دل پر تلاوت

بنوی ﷺ نے اپنا اثر دکھا دیا تھا آتا ہے، رسول اللہ ﷺ اپنا دست اقدس اس کے سینہ پر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: اے جوان! ''کہولا الہ الا اللہ'' پس وہ یہ کلمہ کہتا ہے، حضور ﷺ اسے جنت کی خوشخبری سناتے ہیں، پھر تقریباً سات سال کی عمر کے بچے رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں اور وہ بھی بڑوں کے ساتھ حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہیں، حضور ﷺ اپنا دست اقدس بڑھاتے ہیں اور ان سب کو بیعت فرماتے ہیں۔(۶۸)

احمد خلیل جمعہ لکھتے ہیں: چھوٹے بچوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف کس طرح ڈالا جائے جو آگے چل کر اللہ عزوجل کے راستہ میں اپنی جانیں قربان کرنے کا سبب بن جائے۔ پاکیزہ جذبات کے یہ مبارک انواع ایسے ہیں کہ ان میں والدین کے لئے تربیت کے مطالب موجود ہیں، جنہیں وہ اپنے بچوں کے دلوں میں ڈال سکتے ہیں اور ان کے مطابق ان کی تربیت کرسکتے ہیں تاکہ ان بچوں کے دلوں کا اور ان کی روحوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط وتعلق پیدا ہوجائے۔

بچوں میں ایسے پاکیزہ جذبات ابھارنے کے دیگر عوامل میں سے ایک اہم عامل یہ ہے کہ ان میں اللہ و رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کا احساس بیدار کیا جائے، بچے ان جذبات کی طرف فطرۃً مائل ہوتے ہیں، یقینی چیزوں میں رغبت رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، تاکہ انہیں زندگی کی حقیقت اور اس کی قدر و قیمت معلوم ہو، کامیاب والد اور مربی وہی ہے جو ہر وقت اور ہر حال میں بچوں کی تربیت میں مسلسل لگا رہتا ہے، اور ان میں اللہ تعالیٰ کے خوف کا احساس پیدا کرتا رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے (ایک دن) جوابدہی کا احساس بیدار کرتا رہتا ہے، اور یہ کام کچھ مشکل نہیں ہے، سن تمیز کی ابتداء ہی میں اس کا حصول ممکن ہے۔

باپ بچوں کے ساتھ تذکیر و تفہیم کا اسلوب اختیار کرے، بچوں کو ہمیشہ یاد دلاتا رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نگرانی کررہے ہیں ،وراس کے تمام اقوال و افعال سے واقف ہیں۔ اس کے لئے متنوع صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں، مثلاً بچہ سچ بولے تو اس کی حوصلہ افزائی کرے اور

اس پر جو اجر وثواب حاصل ہوتا ہے اس کی ترغیب دے، جب بچہ کو کمرہ وغیرہ میں اکیلا چھوڑے یا افرادِ خانہ سے دور کسی جگہ میں تنہا چھوڑے تو اسے یاد دلائے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نگرانی کر رہے ہیں، مثلاً یوں کہے کہ مجھے پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمام حالات میں دیکھتا ہے؟ وہ یقیناً بالطبع جواب دے گا کہ ہاں ضرور وہ دیکھتا ہے، اس موقع پر باپ اسے نصیحت کرے کہ جب وہ ہر وقت اور ہر حال میں دیکھتا ہے تو تجھے کوئی ایسا کام جس سے وہ (اللہ تعالیٰ) ناراض ہوتے ہوں نہیں کرنا چاہئے۔

باپ بچہ کی تربیت کے سلسلہ میں ترغیب وترہیب کا انداز بھی اختیار کرسکتا ہے تاکہ بچوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف دونوں پروان چڑھیں اور اس طرح اس کی زندگی خوف اور امید کے درمیان گزرے۔

ترغیب وترہیب کے سلسلہ میں مربی کو چاہئے وہ آیاتِ قرآنیہ جن میں جنت کا وصف یا جہنم کا ذکر ہے بیان کرے، کیونکہ قرآنی آیات میں ان کے لئے عبرتوں اور نصیحتوں کا وافر سامانِ موجود ہے اور پھر آیات کے سادہ اور مختصر طور پر معانی ومطالب بھی واضح کردے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی بافائدہ اور مناسب واقعات اور مفید مواعظ جوڑ دے اور ملادے، خصوصاً اس وقت جب بچہ ہر قسم کے لہو ولعب وغیرہ سے فارغ الذھن ہو، بچوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلانا اور انہیں نفع بخش ترغیب وترہیب دینا ایسے امور ہیں کہ ان سے بچوں کے اندر زبردست حساسیت پیدا ہوتی ہے، جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور قرآنی آیات کا سماع کرتا ہے تو اس کے ذہن میں خشیت خداوندی کا استحضار پیدا ہوجاتا ہے،(٦٩) اللہ تعالیٰ نے اس صنف کے لوگوں کا ذکر قرآنِ کریم میں فرمایا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ○(٧٠)

بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں، اور جب اللہ کی آیتیں ان

کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور توکل
کرتے ہیں اللہ پر۔

اس اخلاقی اور تربیتی میدان میں باپ کو اپنے بچہ کے لئے اسوہ اور نمونہ بننا چاہئے، لہٰذا اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''قرآن کریم'' پرسوز لہجہ میں پڑھے، اور دورانِ تلاوت اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اپنے دل میں احساس لائے، اس کا بچہ پر بہت اثر ہوگا، اگر باپ قرآنِ کریم کی تلاوت خوش الحانی آہ و بکاء اور خشوع کے ساتھ کرے تو بھی بہت بہتر ہے۔

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ قرآن درد و غم کے ساتھ نازل ہوا ہے، لہٰذا جب اس کی تلاوت کرو تو رویا کرو، اگر رونا نہ آئے تو رونے والی صورت ہی بنالیا کرو۔'' (۱۷)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے (جو کہ حبر الامت اور بحر العلم ہیں) آپ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھو اور اس کے ذریعے اپنے دلوں کو حرکت دو۔ (یعنی تلاوت قرآن کریم کے وقت حزن و بکاء اور خشوع کا اظہار کیا کرو۔

واضح بات ہے کہ جب بچہ اپنے مربی کو قرآن سے متاثر ہوتے دیکھے گا تو وہ خود بھی اس سے متاثر ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے مربی سے خشیت کا سبب پوچھے نیز وہ بچہ اس مشاہدہ سے جان لے گا کہ میرا مربی جس امر کی وجہ سے آہ و بکاء میں مبتلا ہے وہ یقیناً کوئی عظیم و جلیل امر ہوگا، اس کا اثر یہ ہوگا کہ اس بچہ کے صاف اور معصوم دل میں بھی خشوع کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوجائیں گے، اور ان کی نقشہ سازی ہوجائے گی، اور پھر خوف و خشوع کے یہ آثار اس کے جوان ہونے تک اس کی قوت متخیلہ میں موجود رہیں گے، جب وہ کامل جوان ہوگا تو ایمان کی حقیقی حلاوت و شیرینی اور خشوع و خضوع کی لذت سے متلذذ ہوگا، اور مراقبہ الٰہی کے ثمرات سے مکمل طور پر آشنا ہوگا، بالآخر وہ راہِ مستقیم پر گامزن رکھنے والی تربیت سلیمہ کے فوائد سے بھرپور مستفید ہوگا۔

انعامات الٰہیہ کی طرف متوجہ کر کے تربیت کرنا:

اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی نعمتوں سے بچوں کو روشناس کرانا بھی اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کی اخلاقی تربیت کا حصہ ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں، فضیلتوں اور متنوع پاکیزہ چیزوں سے بھی روشناس کرانا چاہئے تاکہ بچہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں پر شکر گزاری کا احساس پیدا ہو اور اس کے ساتھ اس کے دل میں اللہ عزوجل کی عظمت و بڑائی بھی بیٹھ جائے۔

اللہ تعالیٰ کے، بچہ پر جو انعامات و احسانات ہوئے ہیں انہیں بیان کرے، اسی طرح اللہ جل شانہ نے بچہ کی خاطر کھانے، پینے، سواری، لباس اور رہائش کے انتظامات فرما دیئے ہیں، اور دیکھنے سننے کی قوتیں اور دیگر حواس عطا کر دیئے ہیں، ان کا اس کے سامنے ذکر کرے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور انعامات کا اس کے سامنے ذکر کیا جائے گا تو وہ یقیناً ان نعمتوں کے فوائد سوچے گا، وہ ضرور سوچے گا کہ واقعی اگر مجھے ان نعمتوں میں سے کوئی نعمت حاصل نہ ہوتی تو مجھے بڑی صعوبت و دشواری کا سامنا کرنا پڑتا اور بدنصیبی کی زندگی بسر کرتا، یہ بھی ممکن ہے کہ ہم بچہ کی توجہ کھانے پینے کی عدم دستیابی اور اس سے برآمد شدہ نتائج یعنی بھوک و ہلاکت وغیرہ کی جانب بھی مبذول کرائیں، بچہ کی تربیت کے لئے بہت سے شاندار مواقع پا سکتا ہے، مثلاً اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائے اور اس کا اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق قائم کرے، اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات و انعامات پر شکر کے جذبہ کو فروغ دے، اور اسے ایک عالم کا یہ قول یاد دلائے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں، وہ دراصل اس کا اپنے بندوں پر فضل و احسان ہے، جس کا شکر ادا کرنے کے لئے بندے اس کی حمد کرتے ہیں اور اس میں جو حکمت و مصلحت ہے وہ بھی اسی کی طرف لوٹتی ہے جس کی وجہ سے وہ ذات لائق حمد و شکر ہے۔

چونکہ بچہ کا ذہن اپنے اردگرد کے ماحول سے مربوط و متعلق ہوتا ہے جس میں وہ زندگی بسر کرتا ہے۔ اس لئے وہ دین سے متعلقہ امور کا صحیح ادراک محض ان کے معانی سے نہیں

کر پاتا، اس کے لئے مربی کو چاہئے کہ بچہ کی توجہ اردگرد کے وسیع ماحول کی طرف مبذول کرائے، جب وہ آسمان وزمین، درختوں، پہاڑوں اور پھولوں جیسے قدرتی مناظر دیکھے گا تو اسے ان قدرتی امور کے حسن وجمال کا ادراک ہوگا اور اسے خوشگوار آثار کا احساس ہوگا جس کا اس پر اثر یہ ہوگا کہ پھر وہ اللہ رب العالمین کا مزید شکر ادا کرے گا جس نے ہر چیز کو خوبصورت پیدا کیا ہے۔

اس کے بعد اسے قرآن کریم کی چند آیات سنائی جائیں، مثلاً فرمانِ خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ○ (۷۲)

اے لوگو! اللہ کے تم پر جو احسانات ہیں ان کو یاد کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان وزمین سے رزق پہنچاتا ہو۔

نیز ارشادِ الٰہی ہے:

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ○ (۷۳)

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اس نے اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر رکھی ہیں۔

نیز فرمانِ ربّ العالمین ہے:

وَمِنْ رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ (۷۴)

اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے دن اور رات کو بنایا تا کہ تم رات میں آرام کرو، اور دن میں اس کی روزی تلاش کرو، اور تا کہ تم شکر کرو۔

اس طرح کی دیگر کثیر آیاتِ قرآنیہ جس میں اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات اور عطیات کا ذکر ہو ان کا بچوں کے سامنے ذکر کیا جائے اور ساتھ ساتھ ان آیات کی تشریح بھی کی جائے مگر اس تشریح میں بچوں کی عمر کا بھی لحاظ رکھا جائے وہ تشریح مختصر مگر پر مغز قسم کی ہو، قرآنی آیات میں بچوں کے لئے جو زیادہ اہم نعمتیں مذکور ہوں انہیں اختیار کیا جاسکتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی وضاحت کی جائے، بچوں کے سامنے ماں باپ کی شفقت واضح کی جاسکتی ہے اسی طرح مثلاً بصارت کی نعمت بتائی جاسکتی ہے، اس سے یہ ہوگا کہ بچہ کو بصارت کی فضیلت و اہمیت معلوم ہوگی، اور اس کے نتائج سے واقفیت ہوگی، اسی طرح بچوں کو ایسے دوسرے پہلوؤں پر توجہ دلائی جاسکتی ہے، جو ان کی عمر اور ذہنی سطح کے مناسب ہوں، اور ان پہلوؤں کے ساتھ اخلاقی پہلوؤں پر بھی توجہ ضروری ہوگی۔

عبادت کی تربیت:

یہ امر مسلم ہے کہ بچوں کو اسلام کے پانچوں ارکان کی تعلیم دی جائے گی اور تمام ارکانِ اسلام کی اہمیت و فضیلت کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ اور اس کے اخلاقی پہلوؤں پر زور دیا جائے گا، نماز اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔ نماز اسلام کا ستون ہے، بلکہ ایک یہ ایسا دینی شعبہ ہے، جو انسان پر اس وقت تک لازم رہتا ہے جب تک وہ باحیات اور مکلّف ہے، نماز سے انسان کا تعلق اپنے خالق و مالک سے مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی اہمیت کے پیش نظر لوگوں کو اس کی پابندی کا حکم دیا ہے، قرآن کریم میں بصیغۂ امر اس کی محافظت کا حکم ربانی آیا ہے، ارشاد ہے:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○ (۷۵)

حفاظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً)
اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔

نماز کی اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی ادائیگی میں تھاوں اور غفلت برتنے پر تنبیہ فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ○ (۷٦)

ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں (یعنی
ترک کر دیتے ہیں)۔

احادیث مبارکہ میں بھی ترکِ صلوٰۃ یا اس کی ادائیگی میں سستی کرنے پر وعید آئی ہے، چنانچہ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ (۷۷)

ہمیں چاہئے کہ بچوں کی اخلاقی اصلاح، ان کے نفوس کی تہذیب اور طبیعتوں کو صیقل کرنے کے لئے انہیں نماز کے عظیم فوائد و ثمرات بھی بتائیں، یہ امر اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق اور مناجات کا ذریعہ ہے، اس تعلق سے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی خشیت واقع ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کا دلوں میں مکمل دھیان و خیال پیدا ہوگا۔

نماز سے ایک مسلمان کو جو ثمرات و فوائد اور اخلاق و آداب حاصل ہوتے ہیں اور اس سے نفوس کی جو اصلاح و تربیت ہوتی ہے اس کی بھی مربی اور باپ بچوں کے سامنے وضاحت کرے، مربی یہ آیت قرآنی انتہائی عاجزانہ آواز میں تلاوت کرے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ○ (۷۸)

نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے
اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو جانتے ہیں۔

آیت کی اگر وضاحت کر دے تو کوئی حرج نہیں یا اس آیت کی تشریح کے لئے کوئی

معتمد تفسیر لے کر اس کے سامنے پڑھ دی جائے تو بھی ٹھیک ہے، اور ایسا طریقہ اختیار کرے کہ وہ معانی آسانی سے اس کی سمجھ میں آسکیں اور اس کے دل و دماغ میں بیٹھ جائیں، مثلاً تفسیر قرطبی سے اس آیت مبارکہ کی تشریح پڑھے، نماز، نمازی کے سارے بدن کو مشغول رکھتی ہے، جب وہ عبادت گاہ میں آتا ہے اور اپنے رب کے سامنے اظہار عجز و انکساری کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اس کے سامنے کھڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہے ہیں اور اس کے حال پر مطلع ہیں تو اس سے اس کا نفس صالح ہو جاتا ہے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا خیال چھائے رہتا ہے اور اس کے جوارح و اعضاء پر اس کی ہیبت کے آثار نمایاں رہتے ہیں۔(۷۹)

مربی جب بچہ کو نماز کے ثمرات اور اس کے فوائد بتائے تو اس کے ساتھ اسے یہ بھی بتلائے کہ جن معاصی اور گناہوں کا انسان ارتکاب کرتا ہے نماز سے وہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور اس کی تشریح میں اسے رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی سنائے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اپنے مابین کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں جب تک کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرے۔(۸۰)

مربی دلچسپ تربیتی انداز میں بچوں کو بتائے کہ نماز سے انسان کو نظم و ضبط کی اہمیت اور اس کا حسن و جمال معلوم ہوتا ہے اور وقت کی قدر، اس کا احترام اور اس سے بھرپور استفادہ کی ترغیب حاصل ہوتی ہے۔

مربی بچہ کا ہاتھ پکڑے اور اسے نماز کی تعلیم دے، پہلے اسے وضو اور طہارت سکھائے اور اس کے روحانی پہلو پر بھی اس کی رہنمائی کرے۔ مثلاً وضو کے محاسن کے سلسلے میں میں رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ عالی اسے سنائے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان جب وضو کرتا ہے تو اس کے گناہ اس کی آنکھ، کان اور ہاتھ پاؤں سے خارج ہو جاتے ہیں پھر وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے کہ اس کی مغفرت کر دی گئی ہوتی ہے۔(۸۱)

جس طرح مربی بچہ کو وضو اور طہارت کی تعلیم عملی اور نظری طور پر دے گا اسی طرح

اسے نماز کی بھی تعلیم دے گا اور اس کی تربیت وتدریب کرے گا کہ وہ اس نماز کو مکمل طور پر اچھے طریقہ سے ادا کرے، اس کے لئے اسے متعدد اسالیب اختیار کرنے پڑیں گے، ایک اسلوب یہ ہے کہ اسے بطریق مشاہدہ وتقلید تعلیم دے اور یہ طریقہ بچپن کی عمر میں ہوتا ہے، کیونکہ بچے جب اپنے والدین اور گھر کے بڑے افراد کو نماز پڑھتے دیکھتے ہیں تو ان کی تقلید و اتباع کرتے ہیں، پھر انہیں یہ عادت پڑ جاتی ہے وہ نماز کے اعمال مثلاً تکبیر، رکوع اور قیام و سجدہ سے روشناس ہو جاتے ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بچے اپنے ماں باپ یا بھائی وغیرہ کی اتباع اور نقالی میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں، پس وہ ان کے پہلو میں کھڑے ہو جائیں گے اور قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ اعمال میں ان کی تقلید کریں گے، خواہ اس کی حقیقت کا انہیں ادراک نہ بھی ہو، ان شعائر کو ادا کرتے وقت بچہ عموماً بہت خوش ہوتا ہے اور شیخی بگھار رہا ہوتا ہے، کیونکہ بڑوں کے حرکات وسکنات کی نقالی اس کے لئے ممکن ہوتی ہے، یقیناً جب بچہ ایک دن میں کئی بار اس کا مشاہدہ کرے گا تو اس سے نماز کا عمل اس کے لئے سہل ہو جائے گا اور پھر وہ آئندہ زندگی میں پوری رغبت، محبت اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے گا۔ یہی وجہ ہے نوافل وغیرہ کی ادائیگی کے لئے مسجد کے بجائے گھر میں ادا کرنے کا حکم ہے۔

جب بچہ عمر کے ساتویں سال کو پہنچتا ہے تو نماز کے فعلی اوامر اور پانچوں فرائض کی ادائیگی کی ابتداء ہو جاتی ہے اور باپ یا مربی بچہ کی نماز کی ترغیب اور اس کی ادائیگی پر دوام کی ہدایت دینا شروع کر دیتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ عالی کی بجا آوری کرتا ہے۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ○ (۸۲)

اور اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے۔

نماز ایسی چیز ہے کہ مربی اور باپ کو اس کے لئے صبر وضبط کی ضرورت پڑتی ہے، جب تک کہ بچہ اپنی رغبت وشوق سے نماز ادا نہ کرنے لگ جائے، رسولِ کریم ﷺ نے ہمیں اس بات کی بھی تعلیم دی ہے کہ ہم بچوں کو نماز کا حکم کیسے اور کب دیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

''بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز سکھاؤ اور دس برس کی عمر ہونے پر مارو۔'' (۸۳) بچوں کو نماز کی تعلیم دینا باپ اور ولی الامر کی ذمہ داری ہے، اور واجبات میں سے ہے، صرف مستحب امر نہیں ہے، ''المغنی'' میں ابن قدامہ المقدسی نے بعض علماء سے یہ بات نقل کی ہے بچہ کے سرپرست پر یہ بات واجب ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اسے طہارت اور نماز کی تعلیم دے اور اس کا حکم دے۔ (۸۴)

احمد خلیل جمعہ لکھتے ہیں: نماز کے امور کی تعلیم دینے کے سلسلہ میں باپ پر لازم ہے کہ وہ بچہ کو طہارت، ستر عورت اور اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع وخضوع اختیار کرنے کی تعلیم دے، نیز یہ کہ وہ ان امور کی متابعت کرے غفلت نہ برتے، اور ہر بات کئی کئی بار بتائے، ترغیب کے مختلف ذرائع استعمال کرے، مثلاً اسے نماز کی ادائیگی پر کوئی ہدیہ وتحفہ دینا یا حوصلہ افزائی اور ہمت افزائی کرنا وغیرہ، تاکہ بچہ جب جوان ہو جائے اور بچپن سے سن بلوغ اور عمر تمیز کو پہنچے تو خصوصاً نماز کے معاملہ میں غفلت نہ برتے اور اس کو معمولی امر خیال نہ کرے، کیونکہ سن تمیز کے بعد بچوں کی اصلاح وتہذیب اور ان کی تربیت کافی دشوار ہو جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے بہت سے وصایا اور نصائح موجود ہیں، مثلاً سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ جو عالم کبیر تھے انہوں نے والدین اور مربیین کو بڑی مفید نصیحت کی ہے، فرماتے ہیں: ''اپنے بیٹوں کو نماز کی پابندی کراؤ اور ان کو خیر کے کاموں کا عادی بناؤ، کیونکہ خیر عادت ہے۔''

کبھی لہو ولعب یا کسل مندی کی وجہ سے بچہ فرض نمازوں کی ادائیگی میں کوتاہی کر جاتا ہے اس موقع پر باپ کی ذمہ ہے کہ وہ اسے اچھے انداز میں وعظ ونصیحت کرے اور اسے سمجھائے، مکمل طور پر فرائض کی ادائیگی کی ترغیب دیتا رہے، جب تک کہ وہ بچہ رشد وہدایت کی طرف واپس نہ آجائے اور پھر سے فرائض وسنن کو مسلسل کرنے نہ لگ جائے، اگر فہمائش کے باوجود وہ بچہ بات نہ مانے تو اسے بعض ایسی سزائیں دے جو اسے راہِ غلط سے ہٹا کر راہِ صواب پر لے آئے، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ سزا اسے نماز سے متنفر نہ کرے اور اس

کو سرکشی سے روک دے، یہ اسی صورت ممکن ہے کہ جب ضربِ شدید سے اجتناب کیا جائے۔

بچوں کو نماز کی ترغیب دینے کے ساتھ ان کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ وہ مسجد میں اکر جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں، اس لئے کہ جب وہ نماز باجماعت ادا کرے گا تو اس کا دوسرے نمازیوں سے بھی میل جول ہوگا، نیز اس سے باپ کے لئے ممکن ہو سکے گا، کہ وہ اس کے سامنے نماز باجماعت ادا کرنے کے محاسن وفوائد بیان کر سکے، نیز احادیث میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا جو اجر وثواب ستائیس درجہ کی صورت میں بیان ہوا ہے اس کا بھی اس کے سامنے ذکر ہو سکے۔(۸۵)

اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو آباد کرنے والوں کا ایمانی وصف کے ساتھ ذکر کیا ہے، فرمایا:

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ ءَامَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوة (۸۶)

اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کرنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

نماز کی تعلیم کے دوران مربی بیان کرے کہ مسجدیں ایمان اور فرض نمازوں کی ادائیگی سے آباد ہوا کرتی ہیں، اور اس کی فضیلت بیان کرے۔

فکری تربیت کے لئے صالح دوستوں کا انتخاب:

انسان معاشرہ کا ایک لازمی جزو ہے، جس سے کبھی بھی جدا نہیں ہوا جا سکتا، اور فرد معاشرہ کی عمارت کا ایک اینٹ ہے، چنانچہ دوستوں، ساتھیوں، ہم عصروں اور ہم جولیوں سے بچے کا متاثر ہونا لازمی امر ہے، چاہے مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، اور واضح بات ہے کہ بچوں کا رہنا سہنا اپنے دوستوں ساتھیوں اور ہمنشینوں کے ساتھ ہی ہوگا۔ جن کا اثر بھی اس پر ضرور ہوگا۔ چنانچہ اگر دوست اچھے ہوئے تو بچے پر بھی اچھا اثر پڑے گا اور اگر برے دوست ہوں گے تو بچہ بھی انہی کی طرح عادات واخلاق اپنائے گا۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ "احیاء علوم" میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بچے کی اعلیٰ اخلاقی تربیت اور

عظیم کردار و سیرت کا اکتساب نیک اور صالح لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے ہی ممکن ہے، اور اخلاق کی خرابی، غلط اور خراب لوگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے، اور امام غزالی رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسانی طبیعت پوشیدہ طور پر دوسروں کی طبیعت سے خیالات و عادات اور اخلاق اپنے اندر جذب کرتی ہے۔

اس سے امام غزالی رحمہ اللہ کی نفس سے واقفیت اور بچوں کی نفسیات میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ وہ بچوں کو عیاش لڑکوں کے ساتھ مخالطت سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بچوں کو تعیش پسند اور تفریح کے دلدادہ بچوں کی صحبت سے بچایا جائے۔

امام غزالی کے اس قول کی تائید دوسرے علماء وفقہاء کے اقوال سے بھی ہوتی ہے کہ بچے دوسروں سے مثبت اور منفی دونوں طرح متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم حربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابتداًء بچوں میں اخلاقی خرابی بچوں ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ بھی دوسروں سے بچوں کے متاثر ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:

بچوں کو شریف، صالح لوگوں اور علماء کی صحبت میں بٹھایا جائے۔ بے وقوف اور جاہل لوگوں کی صحبت سے بچایا جائے۔ اس لئے کہ انسانی طبیعت میں دوسروں کے اندرونی خیالات چرانے کا مادہ موجود ہوتا ہے۔ برے رفقاء وصدقاء سے بچوں کو بچانے کا مقصد ان کے اخلاق کی حفاظت ہے۔ بچے کے لئے اچھے دوستوں اور پاکیزہ ساتھیوں کو چنا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انہی دوستوں کے اخلاق سے متاثر ہوتا ہے، اور ان کے اخلاق و عادات کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے اور اچھے ساتھیوں کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ بچہ ان کے اچھے اخلاق و عادات کو اپنا کر معاشرے میں کامیاب زندگی گزار سکے۔ (۸۷)

تربیت کے اہم پہلو

ڈاکٹر حافظ محمد سلیم لکھتے ہیں: سیرت طیبہ ؐ کے حوالے سے تربیت کے تین مقاصد ہیں۔

﴿۱﴾ تربیت باطنی، ﴿۲﴾ تربیت ظاہری، ﴿۳﴾ تربیت بذریعہ اصلاح عادات واطوار (۸۸)

پروفیسر سید محمد سلیم لکھتے ہیں: واضح رہے اسلام کے نزدیک تعلیم وتربیت کا مفہوم بہت

وسیع ہے۔اس کے کئی اجزاء ہیں۔

ا۔تدریسی کتابوں کے ذریعہ علم سکھانا۔

۲۔تربیت گفتار، کردار اور اطوار کو علم کے مطابق استوار کرنا۔افکار وتصورات کو اسلامی مزاج کے سانچے میں ڈھالنا۔

۳۔تادیب: آداب زندگی اور اقدارِ حیات کی پابندی کرانا۔نافرمانی پر سرزنش کرنا۔

۴۔تدریب: علوم وفنون میں مشق و مہارت حاصل کرنا۔ نیک کرداری اور خوش گفتاری کی عادت ڈالنا۔

۵۔تلقین: وعظ ونصیحت سے عوام الناس کو دین واخلاق کی تعلیم دینا۔

۶۔امر بالمعروف: معاشرہ میں کوشش کرنا کہ نیکیوں کو فروغ ہو اور برائیاں ختم ہوں۔

ایک مسلمان ساری زندگی سیکھتا بھی رہتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا بھی رہتا ہے۔معلم بھی بنا رہتا ہے اور متعلم بھی۔ساری زندگی ایک درسگاہ ہے۔(۸۹)

تعلیم جسم ہے تربیت روح:

اسلامی تعلیمات میں تعلیم اگر جسم ہے تو تربیت اس کی روح ہے، اس لحاظ سے تربیت کے بغیر مثالی تعلیم کا تصور اور حصول مقصد ناممکن ہے۔اللہ تعالیٰ نے مقاصد بعثت نبوی ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے: یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم (۹۰) کہہ کر نبوت کا فریضہ قرار دیا کہ تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت بھی کریں، آپ ﷺ معلم کے ساتھ مربی بھی تھے، تربیت کا لفظ اضافہ، اصلاح اور اہل بنانے کے معنی میں آتا ہے۔(۹۱) بقول بیضاوی کے معنی ہیں رفتہ رفتہ کمال تک پہنچانا۔(۹۲) یہی امام راغب کی رائے ہے۔(۹۳) لہٰذا تربیت کی جامع تعریف یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو فطرت سلیمہ اور متنوع استعداد ودیعت کی ہے اس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق حفاظت کرنا اور اس میں رفتہ رفتہ اضافہ کرنا یہاں تک کہ وہ درجہ کمال تک پہنچ جائے۔تربیت کا موضوع انسان ہے، اس سے غرض یہ ہے کہ انسان کائنات کی ذمہ داریوں کو (تعلیمات نبویہ ﷺ) کی روشنی میں ادا کرے۔(۹۴) مغرب میں

تربیت ثانوی درجہ کی چیز ہے اس لئے وہ اسے ہم نصابی سرگرمیاں Extra Curricular یا Co-Curricular Activities کہتے ہیں۔ تعلیم میں تربیت کی اہمیت کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے مقاصد بعثت میں سب سے اہم مقصد تربیت کو قرار دیا گیا ہے۔(۹۵) قرآن کریم کی متعدد آیات میں تربیت کے ماخذ تعلیمات نبویہ ﷺ ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت۔ یہ تربیت شریعت پر عمل کر کے اللہ کی عبادت کر کے تعلیمات نبوی ﷺ کا مطالعہ کر کے حاصل ہوسکتی ہے۔(۹۶)

تربیت کی خصوصیات:

تربیت کی مندرجہ بالا تعریفات سے اسلامی تصور تربیت کے مندرجہ ذیل خصائص سامنے آتے ہیں:

﴿ا﴾...... تربیت کا ایک جامع تصور اسلام کا نظام تربیت ہے، جو تربیت کے سارے پہلوؤں اور سارے اصول و جزئیات پر حاوی ہے۔

﴿ب﴾......انسان کی داخلی اور روحانی زندگی کی تسکین کا سامان بھی اس میں ہے۔

﴿ج﴾......اس میں بہترین اجتماعی زندگی کا تصور بھی شامل ہے جس میں ایک فلاحی ریاست ہی نہیں بلکہ بہترین فلاحی معاشرہ کا تصور بھی ابھر کر سامنے آتا ہے۔

﴿د﴾......اس میں موجودہ دنیوی زندگی ہی کی فلاح شامل نہیں بلکہ اخروی فلاح اور فکر آخرت بھی شامل ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس کا اصل زور آخرت ہی پر ہے، دنیوی زندگی تو محض ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

﴿ہ﴾......یہاں اصل چیز ہر معاملے میں اللہ کی اطاعت و محبت اور اس کی رضا کا حصول ہے اور اس طرح کے ایک عظیم نصب العین سے بندھ کر فرد اور معاشرے کی ساری صلاحیتیں ایک ہی ہدف کے لیے ایک جہت اور یکسو ہو جاتی ہیں۔

اسلامی تصور تربیت کے ان خصائص سے بآسانی یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ اسلام کا تصور تربیت ایک جامع اور منفرد خصائص کا حامل تصور ہے۔اس کے مقابلے میں مغرب کا تصور تربیت

انتہائی ناقص ہے نیز آج کل مسلمانوں میں مروج تربیت کا تصور بھی ادھورا اور نامکمل ہے لہٰذا تربیت کے نبوی منہاج کی طرف رجوع ضروری ہے۔

تربیت کا موضوع انسان کی فکر اور اخلاق ہیں، تربیت کا مقصد اور غرض وغایت:

تربیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان کائنات کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی (۹۷) اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق خوش دلی سے ادا کرسکے۔

مسلم مفکرین کے نزدیک تربیت کی اہمیت:

تربیت کے مآخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں۔(۹۸) اس کی اہمیت کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرن اول سے آج تک بے شمار کتابیں مستقلاً اس موضوع پر لکھی جاچکی ہیں۔(۹۹) صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث میں ''کتاب الادب'' کے نام سے مستقلاً اس موضوع پر احادیث جمع کی گئی ہیں۔ تمام بڑے مسلم مفکرین ابن خلدون، بوعلی سینا امام غزالی، قاضی ابن جماعۃ وغیرہ نے اپنی معرکۃ الآراء کتب میں طلبہ کی نفسیات اور ان کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے قلم اٹھایا ہے۔(۱۰۰) لیکن مغرب نے صرف تعلیم کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور تربیت کو لوگوں کا ذاتی معاملہ قرار دے کر آزاد چھوڑ دیا ہے جس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔(۱۰۱) سعودی عرب میں وزارت تعلیم کا نام ''وزارۃ التعلیم والتربیۃ'' ہے اور اسی کا ذیلی ادارہ ''التوعیۃ الاسلامیۃ'' ہے جس کا کام طلبہ کی تربیت کرنا اور تربیت کے مختلف پروگرام کا انعقاد کرنا ہے۔(۱۰۲)

تربیت کا ماحول ومربّی سے تعلق:

اسلام ماحول ومربی دونوں کو ذمہ دار قرار دیتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کلّ مولود یولد علیٰ فطرتہ ثم ابواہ یھوّدانہ اوینصّرانہ (۱۰۳)

ہر شخص اسلام کی فطرت لے کر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اس کا ماحول اس کی تربیت کرکے اس کو یہودی، نصرانی یا کچھ اور بنادیتے ہیں۔ ماحول سے ہی تربیت ہوتی ہے اور

ماحول بنانے کے ذمہ دار معاشرہ کے تمام طبقے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔

كلّكم راعٍ و كلّكم مسئول عن رعيته۔(۱۰۴)

تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحتوں کا ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی، میں سمجھتا ہوں عہد حاضر میں سب سے زیادہ ذمہ دار اساتذہ ہیں۔

ڈاکٹر احمد شلبی رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں ہر انسان کے تین باپ ہوتے ہیں ایک وہ جس نے اسے پیدا کیا دوسرا وہ جس نے پرورش کی تیسرا وہ جس نے تعلیم دی اور تیسرے کا درجہ سب سے افضل ہے۔(۱۰۵) اسلام میں اس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ ذمہ داری انہی اساتذہ کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے لیکن انگریز سامراج کے قائم کردہ نظام تعلیم کی بدولت اساتذہ کو ایک معمولی درجہ کی چیز بنا دیا گیا ہے۔(۱۰۶) انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجز کے مطابق اساتذہ کی تذلیل کا سلسلہ یونان کے المیہ ڈراموں سے شروع ہوتا ہے کیونکہ ان میں اساتذہ کا کردار ہمیشہ مضحکہ خیز ہوا کرتا تھا۔(۱۰۷) مغربی اقدار کی آمد کے نتیجے میں ہمارے معاشرے میں بھی اساتذہ کے ساتھ بہتر سلوک نہیں رہا۔ لہٰذا ہمیں تربیت کا دائرہ وسیع کرنا ہوگا۔

تین طبقوں کو تربیت کی ضرورت ہے، ہم کہیں گے تربیت کے تین اہم طبقے محتاج ہیں سب سے پہلے معاشرہ کی تربیت کی ضرورت ہے تا کہ وہ استاذ کے مقام اور اس کی اہمیت کو سمجھ سکے اس کے بعد اساتذہ کی تربیت کی ضرورت ہے تا کہ وہ اپنی ذمہ داریاں مکمل طور پر ادا کریں پھر طلبہ کی تربیت کی ضرورت ہے تا کہ وہ مستقبل کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی سنبھال سکیں۔

انبیاء علیہم السلام کی فکری تربیت کا منہج

انبیاء کرام علیہم السلام کے قصص سے معلوم ہوتا ہے ہر نبی نے فکری تربیت کا فریضہ انجام دیا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

قل آمنا باللّٰه وما انزل علينا (۱۰۸) یعنی تمام انبیاء اور کتب آسمانی پر ایمان لانے کا اعلان: قل أندعوا من دون اللّٰه ما لا ينفعنا ولا يضرنا (۱۰۹) عقیدہ توحید کا

اعلان: قل ان صلاتی و نسکی (۱۱۰) کے ذریعہ اس بات کا اعلان کے ہر قسم کی عبادت کا مستحق صرف اللہ ہے۔ قل لا املك لنفسی نفعا ولا ضراً (۱۱۱) اللہ کے مختار کل ہونے اور انسان کے بے اختیار ہونے کا عقیدہ بیان کیا گیا، حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہم السلام نے اپنی اولادوں کو فکری صحت و پختگی کی وصیت فرمائی اور موت تک اسلام پر زندگی گزارنے کی نصیحت کی ووصی بھاابراھیم بنیه و یعقوب (۱۱۲) حضرت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام نے اپنے پیروکاروں کو دین اسلام پر موت تک قائم رہنے اور فرقہ واریت سے بچنے کی وصیت فرمائی: وما وصینابه ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ان أقیموا الدین (۱۱۳) حضرت لقمٰن علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی فکری تربیت فرمائی: لاتشرك باللّٰه (۱۱۴) قرآن نے فکری تربیت کی اہمیت و ضرورت پر مہر ثبت کرتے ہوئے اعلان کردیا: ان اللّٰه لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء (۱۱۵)

یعنی انسان کی نجات کا مدار عقیدہ اور فکر پر ہے، عمل پر نہیں، لہٰذا عمل کے مقابلہ میں عقیدہ یعنی فکری تربیت پر توجہ دینی چاہئے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو حکمت بھری باتیں اور تادیبی صورتیں تلقین کی ہیں، وہ فکری تربیت کے معاملہ میں اصل و بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں، حضرت لقمان علیہ السلام انسان کو بڑے لطیف پیرایہ میں مخاطب کرتے ہیں، جیسے ایک ماہر طبیب جو مرض کو بھی جانتا ہو اور اس کے علاج سے بھی واقف ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت لقمانؑ علیہ السلام اپنے بیٹے کے لئے ایک شاندار فکری و معاشرتی اصول وضع کرتے ہیں، اپنی زندگی کے تجربات اسے عطا کرتے ہیں تا کہ وہ اپنے دین اور تمام افعال میں ایک بہترین انسان بن سکے اور اپنی زندگی کو سنوار سکے، قرآنِ کریم نے تربیت کی ان صورتوں کو گیارہ نصیحتوں کی شکل میں بیان کیا ہے اور لقمانِ حکیم کی قیمتی نصیحتوں کو زندہ جاوید بنادیا ہے۔ جو عقیدہ کے اصول، عبادات اور اخلاقِ کریمانہ پر مشتمل ہیں:

- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ

الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ○ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ
أُمُّهُ وَهْناً عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي
وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ○ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلى أَنْ تُشْرِكَ
بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا
مَعْرُوفاً وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ
فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ
حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي
الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ○ يَا بُنَيَّ أَقِمِ
الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا
أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ○ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ
لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ
مُخْتَالٍ فَخُورٍ ○ (۱۱۶)

اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے، خاص کر اس کی ماں کے بارے میں اس لئے کہ اس نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس تک دودھ پلایا تا کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، میری طرف لوٹ کر آنا ہے، اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو تو ان کا کچھ کہنا نہ ماننا، اور دنیا میں ان کے ساتھ

خوبی سے بسر کرنا اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کرے، پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے، پھر میں تم کو جتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے، بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمان کے اندر ہو یا زمین کے اندر ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اس کو حاضر کردے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین باخبر ہے، بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر، اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین میں اترا کر مت چل بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔

آیات مذکورہ فکری و معاشرتی احکامات پر مشتمل ہیں، حضرتِ لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے اسے توحید باری تعالیٰ کا حکم دیتے ہیں اور شرک سے بچنے کا کہتے ہیں، اس لئے کہ شرک جرم عظیم اور ظلم عظیم ہے، بلکہ شرک اللہ عز جل کے نزدیک عظیم ترین جرم اور قبیح ترین گناہ ہے اور یہ شدید ظلم و ناانصافی ہے، کیونکہ ظلم کہتے ہیں کسی چیز کو بے محل اور بے موقع رکھنا، پس جو شخص خالق و مخلوق کے درمیان اللہ اور بت کے مابین برابری قائم کرے وہ یقیناً بہت بڑا احمق اور بے وقوف ہے، اور وہ اس لائق ہے کہ اسے ظالم کہا جائے اور جانوروں میں شمار کیا جائے، یہی فکری تربیت ہے۔

اور والدین کے ساتھ قول اور عمل کے ذریعہ اچھا سلوک کرے، اور عزت و احترام سے پیش آئے، نرم کلامی اور محبت کی نظر سے دیکھے، دنیا میں ان کے ساتھ اچھی مصاحبت رکھے، ان کے کھانے، کپڑے وغیرہ کا خیال رکھے، غرضیکہ مادی اور معنوی ہر طرح سے ان کی فرماں برداری کرے، البتہ ایک چیز ایسی ہے اگر والدین اس سے اس کا مطالبہ کریں تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی، وہ ہے شرک یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت۔

قرآن حکیم نے خاص طور پر ماں کی تکلیفوں اور مشقتوں کو پرزور انداز میں بیان کیا

ہے اور انہیں یاد دلاتا ہے کہ ماں کیسی کیسی تکلیفیں جھیلتی ہے، حمل سے ولادت تک، پھر رضاعت (دودھ پلانا) وفطام (دودھ چھڑانا) کا مرحلہ آتا ہے۔اس سارے عرصہ میں ماں بچہ کی پرورش کے سلسلہ میں تکلیفیں اٹھاتی ہے، ان تمام تر تکلیفوں کے باوجود ماں بچہ سے خوش اور اس کی وجہ سے خود کو سعادت مند سمجھتی ہے، بیٹا اپنی ماں کے حقوق کبھی ادا نہیں کر سکتا، چاہے جس قدر اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

ماں جو انسان کے وجود میں آنے کا ظاہری سبب ہے جب اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا تو ربّ کائنات جو وجود میں لانے کا حقیقی سبب ہے اس کا شکریہ کیسے ادا کیا جا سکتا ہے؟

مسند بزاز میں حضرت بریدہ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں ایک آدمی طواف کے دوران اپنی والدہ کو اٹھائے ہوئے طواف کر رہا تھا، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں بلکہ اس کی ایک تکلیف کے بدلہ میں بھی نہیں'' مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) میری ماں بوڑھی ہوگئی ہے اس لئے میں اسے اپنے ہاتھ سے کھلاتا پلاتا ہوں اور اسے وضو کراتا ہوں اور اپنے مونڈھوں پر اسے اٹھاتا ہوں تو کیا میں نے اس کا حق ادا کر دیا؟

حضور ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ ایک فیصد بھی نہیں'' اس نے پوچھا یا رسول اللہ ایسا کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس لئے کہ اس نے تیری ناتوانی (بچپن) کے وقت تیری زندگی کی خواہشمند ہوتے ہوئے تیری خدمت کی تھی، جبکہ تو اس کی خدمت اس کی وفات کی خواہش وارادہ پر کر رہا ہے، لیکن پھر بھی تو نے اچھا کام کیا، اللہ تعالیٰ تھوڑے عمل پر بھی زیادہ ثواب عنایت فرماتے ہیں۔(۱۱۷)

حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو اطاعت خداوندی کا حکم دیتے ہیں، اور اسے ہر طرح کی عملی کوتاہی سے بچنے کی تربیت دیتے ہیں، وہ برائی خواہ معمولی ہو اور کسی بھی جگہ ہو، آسمان کی بلندیوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو، ہر صورت اللہ تعالیٰ اسے حاضر کر کے چھوڑیں گے، اللہ تعالیٰ پر بندے کا کوئی عمل، خواہ وہ کسی جگہ کرے، مخفی نہیں ہے۔

اپنے بیٹے کو تمام ارکان و شرائط اور ظاہری و باطنی آداب سمیت نماز قائم کرنے کا حکم دیتے ہیں، اس لئے کہ نماز گناہ سے دوری اور استقامت پر مدد کا سبب بنتی ہے۔

اس کے بعد حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو امر بالمعروف، نہی عن المنکر کے ذریعہ دوسروں کو فکری تربیت دینے کا حکم دیتے ہیں، مصیبت پر صبر اور تواضع و عاجزی اختیار کرنے اور گفتگو کے دوران لوگوں سے متکبرانہ بے رخی سے اجتناب اور مغرورانہ چال سے پرہیز کرنے کی نصیحت کرتے ہیں تاکہ وہ بیٹا ان جابروں اور متکبروں کے مشابہ نہ ہو جائے جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ متکبروں اور خود پسندوں سے محبت نہیں رکھتے۔

بعد ازاں حضرتِ لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو معتدل رفتار اختیار کرنے کی نصیحت کرتے ہیں، رفتار نہ بہت تیز ہو، نہ بہت سست، نیز آواز میں بھی اعتدال پیدا کرنے کی نصیحت کرتے ہیں، بلند آواز سے اجتناب کرنے کی تربیت دیتے ہیں، اس لئے کہ یہ خصوصیتیں متکلم کے وقار میں اضافہ کا سبب اور دوسروں کے لئے احترام، راحت اور فہم کا ذریعہ ہیں۔(۱۱۸)

خاتم النبیین ﷺ کی فکری تربیت کا منہج:

تربیت ایک جامع لفظ ہے جس میں تربیت کی تمام اقسام شامل ہیں۔ عبادت کی تربیت، اخلاقی تربیت، اجتماعی امور کی تربیت، جسمانی تربیت جنسی تربیت، تعلیمی تربیت، تبلیغ و دعوت کی تربیت اولاد کے حوالہ سے والدین کی تربیت والدین کے حوالہ سے اولاد کی تربیت اور عقائد کی تربیت وغیرہ۔ لیکن ان تربیتوں میں سب سے اہم تربیت فکری تربیت یعنی عقائد کی تربیت ہے۔ یہی میرے مقالہ کا مرکزی نکتہ ہے۔

بچہ کا پہلا حق یہ ہے کہ ایمان کی اصولی تعلیمات مثلاً اللہ اور اس کے رسول پر ایمان قرآن پر ایمان ملائکہ پر ایمان جملہ انبیاء و کتب سماویہ پر ایمان عذاب قبر قیامت اور جنت دوزخ پر ایمان لانے کی تعلیم دی جائے، اور یقین کامل کی تربیت کی جائے۔(۱۱۹)

فکری تربیت دراصل اللہ تعالیٰ کی اس فطرت کو جلا بخشنے کا نام ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی ہے جب بچہ پیدا ہوتا ہے، تو اسی فکری تربیت کا آغاز ایک کان میں

اذان دے کر دوسرے کان میں اقامت کہہ کر ہوتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کی رسالت کا اعلان ہے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

افتحوا علی صبیانکم اول کلمة لا اله الا اللّٰه

جب بچے بولنے کے قابل ہو جائیں تو انہیں پہلا کلمہ توحید کا سکھاؤ۔

جب بچوں میں سمجھ پیدا ہو جائے تو انہیں قرآن کی تعلیم دی جائے۔ اللہ کے انعامات اس کی قدرت کی جانب توجہ دلائی جائے، جیسا کہ سورہ فاطر (۱۲۰) اور سورہ لقمان (۱۲۱) میں توجہ دلائی گئی کہ اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کا خالق ہے، وہ رزق فراہم کرتا ہے، اللہ نے ہی کائنات کو انسانوں کے لئے مسخر کیا ہے اور ظاہری و باطنی نعمتیں فراہم کی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

یا ایها الذین آمنوا قوا انفسکم واهلیکم ناراً (۱۲۲)

اے ایمان والو! اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان آگ سے بچاؤ۔

اس آیت سے تربیت کا وجوب ثابت ہوتا ہے، بالخصوص فکری تربیت کا اس کی تائید بخاری کی روایت سے ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته (۱۲۳)

امام ابن قیم رحمہ اللہ علیہ اور امام نووی رحمہ اللہ علیہ نے مجاہد و قتادہ کے حوالہ سے مندرجہ بالا آیت سے استدلال کرتے ہوئے تمیز کی عمر کو پہنچنے والی اولادوں کی تربیت کو لازمی قرار دیا ہے۔ (۱۲۴)

اور مزید ثبوت میں یہ آیت پیش کی ہے:

وأمر هلك بالصلوٰة واصطبر علیها (۱۲۵)

یعنی اپنے اہل و عیال کو نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

مروا ابناء کم بالصلاة لسبع واضربوهم علیها لعشر (۱۲۶)

بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کی عادت ڈالو اور
جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو پٹائی کر کے پڑھاؤ۔

آپ ﷺ نے فرمایا والد کا اپنی اولاد کو بہترین تحفہ اچھی تربیت ہے۔(۱۲۷)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا ہر روز نصف صاع صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر اپنے بچہ کی بہترین تربیت کرنا ہے۔(۱۲۸) آپ ﷺ نے فرمایا: **من ولدلہٗ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ** جس کے گھر کوئی بچہ پیدا ہو تو چاہئے اس کا اچھا نام رکھے، اور اس کو آداب سکھائے۔ یعنی اچھی تربیت کرے ابن عمرؓ کا اثر ہے، آپ نے فرمایا اپنے بچے کی اچھی تربیت کرو، تم سے اس کی تربیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا، (۱۲۹)

اس میں کوئی شک نہیں تربیت ایک مشکل کام ہے، بالخصوص فکری تربیت لیکن ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے اولاد کی تربیت اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز روزہ کی ادائیگی فرض ہے۔

عہد حاضر میں فکری تربیت کی اہمیت:

پچھلی نصف صدی میں ہماری سماجی ہیئت میں رونما ہونے والی اہم تبدیلیاں، مثلاً خاندان کی شکست و ریخت، بڑے کنبوں کے بجائے چھوٹی عائلی اکائیوں کا ظہور، آبادی کے بڑے حصے کی دیہی علاقوں اور قصبوں سے بڑے شہروں کی طرف ہجرت، معاشی سرگرمیوں کی کشاکش اور مصروفیات، گھر کے سربراہ کو اتنی فرصت ہی نہیں دیتیں کہ وہ بچوں کے لیے وقت نکال سکے۔ پھر جو وقت نکل سکتا ہے، اس کا خاصہ بڑا حصہ ٹیلی ویژن، مطالعۂ اخبار اور دوسری تفریحات و مصروفیات کی نذر ہو جاتا ہے، جس سے نئی نسل اور اس کے بڑوں کے درمیان رابطہ بہت کمزور پڑ گیا ہے۔ باپ اور بچوں کے درمیان تبادلہ خیال اور سیر حاصل گفتگو کی نوبت کم ہی آتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ نظامِ اقدار جو ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہونا چاہیے تھا، نہیں ہو رہا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے بچوں کو بھی ارادی اور شعوری تربیت حاصل کرنے کا وقت نہیں مل رہا ہے۔ بڑے صنعتی اور تجارتی شہروں کے بچے عام طور پر صبح سویرے تیار ہو کر بھاگم

بھاگ مدرسہ پہنچتے ہیں، پیدل، پبلک ٹرانسپورٹ یا اسکول بس کے ذریعے، ان کے پاس صبح کے معمولات اور نماز تلاوت وغیرہ کے لیے معقول وقت ہی نہیں ہوتا۔ دوپہر کو مدرسہ سے آ کر کھانا وغیرہ کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام، پھر مدرسے کا کام یا ٹیوشن / کوچنگ سینٹر اور ٹی وی کے پروگرام وغیرہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی کا جو بھی ڈھنگ ہو، اس میں ایک مخصوص تربیت کا رنگ ضرور جھلکتا ہے۔ یعنی ہر طرز زندگی انسان (خصوصاً ہر عمر کے بچوں) کو ایک خاص سانچے میں ڈھالتا چلا جاتا ہے۔ اب ہمارے بچوں کا جو بھی طرز زندگی ہے، اور ان کے جو بھی معمولات بنتے چلے جا رہے ہیں، وہ ان کو ایک مخصوص انداز میں کسی نہ کسی طرح کی تربیت دے رہے ہیں۔ لیکن میرا معروضہ محض یہ ہے کہ یہ انداز تربیت نہ بہت زیادہ شعوری ہے اور نہ ارادی۔ اور نہ اس میں کوئی منصوبہ بندی و پلاننگ ہے، یہی وجہ ہے فکری تربیت کا پہلو ہماری زندگی سے غائب ہو چکا ہے۔

اس مسئلے کے پیش نظر کچھ لوگوں نے یہ سوچا ہے کہ طلبہ کے لیے رسمی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک نظام تربیت بھی دیا جائے، تا کہ ایک طرف تو وہ، آگہی، قابلیت اور ایسے ہنر سے بہرہ مند ہوں، جو انہیں معاشرے کا ایک مفید اور باصلاحیت شہری بنا سکے۔ دوسری طرف ان کی اخلاقی تربیت اس انداز سے ہو کہ معاشرے سے شر اور فساد کا خاتمہ ہو سکے، یا کم از کم اس میں معتد بہ کمی واقع ہو جائے۔ اور امن، یکجہتی، ہم آہنگی، پیش رفت اور ترقی کی عمومی فضا پیدا ہو سکے۔

ارسطو کا خیال تھا کہ "اچھے، اخلاق، اچھی عادات ہی کا دوسرا نام ہیں۔ ایک انسان وہ ہے، جس سے اچھے افعال عادتاً سرزد ہوں، اور برا انسان وہ ہے، جس سے شر کا ظہور بلا تکلف اور عادتاً ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اچھی عادات کیا ہیں جنہیں اپنے بچوں اور نوجوانوں میں راسخ کرنا ہمیں مطلوب ہے، اور ان کی کاشت پرداخت کے لیے ہم کیا کریں؟

لیکن میرے خیال میں تربیت کے لیے زائد از نصاب کوئی نصاب مرتب کرنا خاصا دشوار کام ہوگا۔ اس کے لیے کچھ عمومی حکمت عملی ضرور مرتب کی جا سکتی ہے لیکن ایک متعین اور قابل

جانچ یا قابل آزمائش نصاب متعارف کرانا وقت طلب ہوگا۔ تاہم چوں کہ اس سلسلے میں کچھ کرنے کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں، اس لیے اس کی ابتداء اوائلِ عمر ہی میں ہونی چاہیے۔(۱۳۰)

مسلمان مؤدبین کا اسلوب تربیت

عہد نبویؐ میں معلّم ہی مئودب و مربّی تھا، بعد کے ادوار میں نئے طریقہ تعلیم کا رواج ہوا۔ عام طور پر امراء اپنے بچوں کو گھر پر تعلیم دلانے کا اہتمام کرتے تھے۔ وہ تعلیم سے زیادہ تربیتِ اخلاق اور آداب سکھانے پر توجہ دیتے تھے۔ ایسے لوگوں کو مؤدب کہتے تھے۔ ''عقبہ بن ابی سفیان نے اپنے بیٹوں کے مؤدب کو اس طرح نصیحت کی۔ ''میرے بیٹوں کی اصلاح کا مدار آپ کی اپنی ذاتی اصلاح پر ہے۔ اس لیے کہ ان بچوں کی نگاہیں آپ پر مرکوز رہیں گی۔ جسے آپ اچھا سمجھیں گے اسے یہ بھی اچھا سمجھیں گے اور جسے آپ برا سمجھیں گے اسے یہ بھی برا سمجھیں گے۔'' آپ انہیں حکماء کی سیرت اور ادباء کے اخلاق سکھائیں۔ اور آپ ان کو مجھ سے ڈرایا کریں اور میری غیر موجودگی میں انہیں سزا دیا کریں۔ آپ ان کے حق میں اس طبیب کی مانند بن جائیں جو بیماری بڑھنے سے قبل دوا تجویز کر دیتا ہے۔ آپ میری جانب سے کسی بات کا خوف نہ کریں میں نے آپ کی اہلیت پر بھروسہ کر لیا ہے۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹوں کے معلم و مؤدب کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

> ''ان بچوں کو سچائی کی اسی طرح تعلیم دو جس طرح تم ان کو قرآن کی تعلیم دیتے ہو۔ ان کو اچھے اخلاق پر آمادہ کرو ان کو بہادری اور شجاعت کے اشعار سکھانا تاکہ یہ بہادر بنیں۔ ان کو شریف لوگوں کے ساتھ بٹھایا کریں اور بازاری لوگوں سے انہیں دور رکھیں اس لیے کہ ان کے اندر بری عادتیں ہوتی ہیں۔ دوسروں کے سامنے تو ان کا ادب کریں، تنہائی میں ان کو خوب تنبیہ کریں۔''

خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے لڑکوں کے موذب سلیمان کلبی کو فکری تربیت کے بارے میں جو ہدایات دیں وہ یہ ہیں۔

''تم ان کو حلال و حرام، خطابت و مغازی کے کچھ حصہ میں صاحب نظر بنادو۔''

عام طور پر خلفاء صالح متقی اور فاضل شخص کو مودب بنانے پر راضی ہوتے تھے، دلچسپ بات یہ ہے۔

حجاج بن یوسف نے طائف میں مؤدب کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کیا تھا۔ بعد میں کوفہ کا مشہور گورنر بنا۔

امام شعبی خلیفہ عبدالملک کے بچوں کے مؤدب تھے۔

ابومعبد الجہنی بھی خلیفہ عبدالملک کے بچوں کے مؤدب تھے۔

عبداللہ بن حبیب۔ حسنؓ و حسینؓ کے مؤدب تھے۔

صالح بن کیسان حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بچوں کے مؤدب تھے۔

جعد بن درہم آخری خلیفہ محمد بن مروان کے بچوں کے مؤدب تھے۔ (۱۳۱)

ابوعبیدہ بن محمد بھی عمر بن عبدالعزیز بن مروان کے مؤدب مقرر ہوئے۔

عون بن عبداللہ عتبہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے بیٹے ایوب کے مؤدب تھے۔

امام شہاب زہری اموی خلفاء کے بچوں کے مؤدب و معلم تھے۔

محدث ابومعاویہ داؤد بن علی کے لڑکوں کے مؤدب تھے۔

امام کسائی امین بن ھارون رشید کے معلم و مؤدب تھے۔ (۱۳۲)

فکری تربیت کے لئے مربی کی صفات:

فکری تربیت منصب نبوی ہے جس کی ذمہ داری علماء، والدین اور معاشرتی ذمہ داروں کی ہے اسی لئے مربی کے کچھ اصول بیان کئے گئے ہیں، مربی یعنی تربیت دینے والے کو قرآن نے حکیم (۱۳۳)، مصلح، ربانی (۱۳۴) اور واعظ (۱۳۵) کا نام دیا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں ربانی وہ ہے جو لوگوں کی تربیت کرے۔ (۱۳۶) اور ابو عائش نے مربی کی درج ذیل صفات بیان کی ہیں، پہلی حکمت کو اختیار کرنا، دوسری اصلاح مقصود ہو، تیسری لوگوں کے طریقوں سے آگاہی،

چوتھی لوگوں کی مصلحت سے آ گاہی، پانچویں معلم ہونے کے ساتھ خود بھی عالم باعمل ہو، چھٹی تدریج اور مرحلہ وار تربیت کرے، ساتویں اس کی نیت وہی ہو جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔(۱۳۷)

احمد خلیل جمعہ لکھتے ہیں: تربیت کرنے والے پر یہ بھی لازم ہے کہ زیادہ دیر تک ان کو ایک جگہ اکھٹے نہ رکھے، بلکہ مفید مشغلوں میں مصروف کر کے ایک دوسرے سے جدا رکھے اور بعض کو رشتے داروں کی ملاقات کے لئے بھی بھیج دے، دوسروں کو ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لئے بازار کی طرف بھیج دے۔ اس سے ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کرنے کا شوق پیدا ہوگا، اور آپس کے اختلافات بھی ختم ہوں گے۔ حضرت عمرؓ اپنی اولاد کی تربیت کے لئے آسان اور مفید طریقوں سے کام لیتے تھے، اور ان سے فرماتے: ''جب صبح ہو جائے تو متفرق ہو جاؤ۔ ایک گھر میں جمع نہ ہو، مجھے تمہارے آپس میں اختلاف کا اندیشہ ہے۔'' یہ ہے حضرت عمرؓ کی دانشمندی اور تفقہ اور بچوں کی نفسیات پہچاننے کی مہارت۔ اسی بنا پر ہمیشہ ایک جگہ جمع ہونے سے منع فرمایا کرتے اور متفرق رہنے کا حکم دیتے۔ اس لئے کہ جدا جدا رہنا آپس کے جھگڑوں اور بغضوں کو مٹا دیتا ہے، اور اس جگہ کو آپس کی محبت آ گھیر لیتی ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ ہم آج کل اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کی اس مفید و نافع وصیت پر عمل پیرا ہوں، تاکہ ہم اپنے بچوں کو اختلاف و مشاجرت سے دور ایک پاکیزہ زندگی دے سکیں۔(۱۳۸)

ماہر تعلیم مولانا فضل اللہ رحمہ اللہ حکومت کو مشورہ دیتے ہوئے مثالی معلم و مربی کی صفات بیان کرتے ہیں: شیخ الاسلام کو چاہئے کہ وہ اپنے عہدے پر متمکن ہوتے ہی سب سے پہلے علماء کے بارے میں استفسارات کرے ان کے علمی مرتبے، ذہن رسا، طریق تعلیم، قوت اجتہاد، افتاء اور تدریس کا اندازہ لگائے۔ وہ اس پر بھی غور کرے کہ کس عالم کا رجحان کس صنف علم کی طرف ہے اور وہ کونسا مضمون دوسرے علماء کی نسبت احسن طریقے سے پڑھا سکتا ہے، یہ سب کچھ جاننے کے بعد شیخ الاسلام ان کا مختلف مدارس میں تقرر کرے۔''(۱۳۹)

معروف ماہر تعلیم کمبل وائیلز نے مثالی معلم و مربی کی درج ذیل تیرہ صفات بیان کی ہیں: جن پر

عمل کر کے وہ مقبول استاذ بن سکتا ہے: ا۔طلباء کو اصل نام سے پکارے، ۲۔دوسروں کے خیالات پر توجہ دے، ۳۔طلباء کے سوالات سنجیدگی سے سنے، ۴۔طلباء سے طنز و تضحیک سے احتراز کرے، ۵۔طلباء کے لئے پریشانی پیدا کرنے سے پرہیز کرے، ۶۔دوستانہ روش کی حوصلہ افزائی کرے، ۷۔طلباء کا خیر مقدم کرے، ۸۔غیر حاضر طلباء کا معاملہ سنجیدگی سے لے، ۹۔طلباء کی نشستوں پر توجہ دے کے کہاں بیٹھنا چاہئے، ۱۰۔جماعتی کام کے لئے کمیٹیاں قائم کرے، ۱۱۔طلباء میں مشترک اوصاف پر زور دے، ۱۲۔طلباء کو کلاس سے نکالنے سے پہلے سنجیدگی سے غور کرے، ۱۳۔طلباء سے خوش اخلاقی سے پیش آئے۔(۱۴۰) آپ ﷺ نے اپنے عمل و تعلیمات کے ذریعہ مثالی معلم کے کردار کو واضح کیا ہے، جس کا اپنوں کے ساتھ غیروں نے بھی اعتراف کیا ہے، رابرٹ ایل گالک لکھتے ہیں:

> بنی نوع انسان کو عظیم تر آزادی اور مسرت کی طرف راہ نمائی کرنے کے ضمن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت معلم کا درجہ رکھتے تھے۔(۱۴۱)

خلاصہ بحث:

یہ ہے کہ انسانوں اور انسانی معاشرہ کو ہر قسم کی تربیت کی ضرورت ہے، جس کے اصول کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں امت کا تعامل و روایات ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

لیکن موضوع کی مناسبت سے میں نے فقط فکری تربیت اور اس کے منہج سے بحث کی ہے، عصر حاضر میں جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں، اس میں فکری تربیت کی شدید ضرورت ہے، صورت حال یہ ہے کہ اس پہلو پر عوام تو کیا اہل علم کی بھی توجہ نہیں ہے۔ متعدد مذہبی جماعتیں ہیں جن کا ہدف فقط مذہب ہے، مگر ان کے ہاں بھی عمل پر توجہ زیادہ ہے، فکر و عقیدہ پر نہیں، اللہ سے دعاء ہے ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔﴿آمین﴾

حواشی وحوالہ جات

١۔ سورہ النساء، آیت ٤٨

٢۔ بخاری صحیح بخاری، کتاب الاحکام، ٨/١٠٤، اور کتاب الوصایا، باب تاویل قول اللّٰہ، ٣/١٨٩، ترمذی، کتاب الجھاد، باب ماجاء فی الامام، ٤/٢٠٨، مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل، ٦/٨

٣۔ خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، مکتبۃ علمیہ لاھور، ١٩٦٨ء

٤۔ سورہ المائدہ، آیت ١٠٥

٥۔ سورہ الانعام، آیت ١٦٤

٦۔ سورہ الاسراء، آیت٧

٧۔ سورہ الحجرات، آیت١٣

٨۔ سورہ الذاریات، آیت٥٦

٩۔ الترمذی، محمد بن عسیٰ، سنن ترمذی، کتاب الاضاحی، باب الاذان فی اذن المولود، ٤/٩٧

١٠۔ سورہ البقرہ، آیت ١٦٥

١١۔ سورہ التوبہ، آیت ٢٤

١٢۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان، ١/١٠، مسلم، کتاب الایمان، باب جامع اوصاف الاسلام، ا/٤٧، ترمذی، کتاب الایمان، ٥/١٥

١٣۔ سورہ النحل، آیت١٢٨

١٤۔ سورہ الشعراء، آیت ٦٢

١٥۔ سورہ التوبہ، آیت ٤٠

١٦۔ القشیری، مسلم، بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب البر، باب اذا احب اللّٰہ عبدالحببہ لعبادہ، ٨/٤١، بخاری کتاب التوحید، باب کلام الرب، ٨/١٩٥، بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، ٤/٧٩

۱۷۔ سورة آل عمران، آیت ۳۱

۱۸۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۷/۱۹۰.

۱۹۔ سورة المزمل، آیت ۱تا ۱۱

۲۰۔ سورہ بقرہ، آیت ۳۰

۲۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۳۱

۲۲۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۷۰

۲۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۲٤۷

۲٤۔ Will Durunt, The Story of civilization London Vol II, P.256

۲۵ سورہ الحدید، آیت۷

۲٦۔ سورہ التین، آیت٤

۲۷۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، دیکھئے ذیل تفسیر التین۔

۲۸۔ سورہ بقرہ، آیت ٦٦

۲۹۔ پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظھری، ج ۱۰، ص ۲۹۷

۳۰۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۲۹

۱۳۔ ایضاً

۳۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۵۱

۳۳۔ سورہ آل عمران، آیت ۱٦٤

۳٤۔ سورہ جمعہ، آیت ۲۔۳

۳۵۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، مطبوعہ ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی، ج۱، ص ۳۳۰

۳٦۔ المعجم الوسیط بذیل مادہ زکوٰۃ

۳۷۔ اصلاحی، مولانا امین احسن، تدبر قرآن، ص ۸۹

۳۸۔ مودودی، مولانا ابوالاعلیٰ تفهیم القرآن، ج۲، تفسیر سورہ توبہ حاشیہ ۲۸

۳۹۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی سنن أبوداؤد دارالحدیث قاهرة، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۳۱۳ اور مسند احمد ج۲، ص۲٤۷

٤۰۔ البخاری، محمد بن اسماعیل الأدب المفرد حدیث نمبر ۲۷٦

٤۱۔ سورہ روم، آیت ۳۰

٤۲۔ جمعة، احمد خلیل۔ الطفل فی ضوء القرآن والسنة، ترجمه بنام اولاد کی تربیت— بیت العلوم پرانی انارکلی لاهور ۲۰۰۳ء، ص ۱۱۸

٤۳۔ ایضاً، ص۱۱۸

٤٤۔ ایضاً، ص ۱۱۹

٤٥۔ ایضاً، ص ۱٤۹

٤٦۔ سورہ روم، آیت ۳۰

٤۷۔ سورہ اعراف، آیت ۱۸۹ ۔ ۱۹۰

٤۸۔ ابن کثیر، عماد الدین تفسیر ابن کثیر بذیل آیة، ۱۸۹

٤۹۔ البخاری، محمد بن اسماعیل صحیح البخاری، کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه اور باب ماقیل فی اولاد المشرکین حدیث نمبر ۱۲۹۱٦، صحیح مسلم کتاب القدر باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة، حدیث نمبر ۲٦٥۸

٥۰۔ جمعة، احمد خلیل، الطفل فی ضوء القرآن والسنة، ترجمه: اولاد کی تربیت، ص/۳٤۹

٥۱۔ السیره ششماهی کراچی ش/٤ رمضان ۱٤۲۱ھ ص/۲٥٥

٥۲۔ لسان العرب بذیل ماده "ربا" المعجم الوسیط بذیل ماده "ربو"

٥۳۔ سورہ الاسراء، آیت ۲٤

٥٤۔ سورہ الشعراء، آیت ۱۸

٥٥۔ سویلم، رأفت فرید، تربیة الطفل، ص/۱٦٥

٥٦۔ سویلم، رأفت فرید، تربیة الطفل حقوق الطفل فی الشریعة الاسلامیة دارالیسر ۲۰۰۸ء، قاهره، ص/۱۳۲

٥٧۔ محمد سلیم، پروفیسر سید۔ اسلامی تعلیم کے بنیادی تصورات و افکار، ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ لاہور، پاکستان مارچ ١٩٨٩ء ص/١٤٨۔١٤٩
٥٨۔ سورۂ آل عمران۔ ١٦٤
٥٩۔ الخلاوی، عبدالرحمن، اصول التربیة الاسلامیة و اسالیبها فی البیت و المدرسة و المجتمع، دارالفکر دمشق سوریه الطبعة الثانیة ١٩٨٣ء،
٦٠۔ قاضی بیضاوی، (متوفی ٥٠٢هـ) انوار التنزیل و اسرار التاویل، المعروف بالتفسیر البیضاوی، ج/١ (دیکھیے ب کے ذیل میں)
٦١۔ راغب، کتاب المفردات امام راغب اصفهانی (متوفی ٦٨٥هـ)
٦٢۔ بخاری صحیح بخاری، ٢/١٢٥
٦٣۔ احمد بن حنبل، مسند امام احمد، ١/٣٠٧
٦٤۔ جمعه، احمد خلیل، الطفل فی ضؤ القرآن والسنه، ترجمه: بنام اولاد کی تربیت، ص/١٥٢
٦٥۔ سوره ق: آیت ١٦
٦٦۔ سوره الحدیدث، آیت ٤
٦٧۔ سوره التحریم، آیت٦
٦٨۔ حاکم، المستدرك، ٢/٢٥١
٦٩۔ جمعه، احمد خلیل، الطفل فی ضؤ القرآن والسنة، ص/١٠٤۔١٠٥
٧٠۔ سوره انفال، آیت٢
٧١۔ ابن ماجه سنن، ابن ماجه، حدیث نمبر: ١٣٣٧
٧٢۔ سوره فاطر، آیت٣
٧٣۔ سوره لقمان، آیت ٢٠
٧۔ سورة القصص، آیت ٧٣
٧۔ سوره بقره، آیت ٢٣٨
٧٦۔ سوره الماعون، آیت ٤، ٥

۷۷. مجمع الزوائد، ۱/۳۰۰

۷۸. سوره العنکبوت، آیت ٤٥

۷۹. قرطبی، تفسیر القرطبی، ۱۳/۲٤۸

۸۰. ترمذی، سنن ترمذی حدیث نمبر: ۲۱٤

۸۱. احمد بن حنبل، مسنداحمد، ۵/۲۵۳

۸۲. سوره طه، آیت ۱۳۲

۸۳. حاکم، المستدرك، ۱/۲۵۸

۸٤. ابن قدامه، المغنی، ۱/٦٤۷

۸۵. جمعه، احمد خلیل، الطفل فی ضوء القرآن والسنة، ص/۱٦٤-۱٦۵

۸٦. سوره توبه، آیت ۱۸

۸۷. جمعه، احمد خلیل، الطفل فی ضوء القرآن والسنة، ترجمه: بنام اولاد کی تربیت، ص/۱۸٦-۱۸۷

۸۸. محمد سلیم، ڈاکٹر حافظ۔ مقاله عهد نبوی کا نظام تعلیم و تربیت بذیل سیرت رسول اور ملت اسلامیه کے موجوده مسائل لاهور، کاروان ادب اردو بازار ۱۹۸۹ء ص/۲۷۰

۸۹. محمد سلیم، پروفیسر سید، اسلامی تعلیم بنیادی تصورات و افکار ص/۸۰

۹۰. سورۂ آل عمران/ ۱٦٤،

۹۱. النخلاوی، عبدالرحمن اصول التربیة الاسلامیة وأسالیبها فی البیت والمدرسة والمجتمع، دارالفکر دمشق سوریه ۱۹۸۳ء

۹۲. قاضی بیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف بالتفسیر البیضاوی، ج/ ۱، دیکھئے تفسیر ب کے ذیل میں۔

۹۳. اصفهانی، امام راغب، کتاب المفردات بذیل ماده،

۹٤. مجله معارف اسلامیه کراچی ۱۹۹۹ء، ص/ ۵۸،

۹۵. سوره الجمعة / ۲، سوره البقرة ص/ ۱۲۹، سوره آل

عمران / ۱٦٤،سوره النازعات / ۱۸۔۱۷ / سوره الشمس / ۹۔۱۰،

۹٦۔ سوره آل عمران / ۱۳۲ / سوره الحشر / ۷ / سه، ه آآ، عمران / ۳۲، سوره النجم / ۳،

۹۷۔ سورة الاحزاب ۷۲

۹۸۔ سورة النساء / ٦٥

۹۹۔ مثلاً کتاب الترغیب و الترهیب مصنف عبدالعظیم المنذری، کتاب المودود فی احکام المولود مصنف ابن قیم جوزی، الادب المفرد محمد بن اسماعیل البخاری وغیره۔

۱۰۰۔ محمد عبدالعزیز، ڈاکٹر، تعلیم اور معاشرتی تبدیلی، ص / ۳۱٦ مزید دیکھیے تعلیم میں نفسیات کی اهمیت مصنف هر برٹ سورینس مترجم ڈاکٹر سلامت الله نیشنل بك هائوس لاهور مطبوعه ۱۹۹۵ء

۱۰۱۔ الخلاوی، اصول التربیة الاسلامیه و اسالیبهافی البیت و المدرسة والمجتمع ص / ۵۵

۱۰۲۔ ماهنامه قومی گزٹ ، کراچی جون ۱۹۹۸، مقاله نگار، غلام مرتضی ملك، ص / ۵۵

۱۰۳۔ السخاوی، الاجوبة المرضیة فیماسئل السخاوی عنه من الاحادیث النبویة شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی (تحقیق محمد اسحٰق محمد ابراهیم) دارالرایة الریاض، الطبعة الاولیٰ ۱٤۱۸ھ جلد دوم ص۔٦۸۱ مزید دیکھیں مسند احمد جلد دوم ص / ۲۸۲، حلیة الاولیاء، جلد ۹ ص / ۲۲۸

۱۰٤۔ بخاری، صحیح البخاری جلد ۳، ص / ۲۷۸

۱۰۵۔ احمد شلبی، ڈاکٹر، مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص / ۲۰۳

۱۰٦۔ محمد عبدالعزیز، ڈاکٹر، تعلیم اور معاشرتی تبدیلی، ص / ۲۲۷

۱۰۷۔ احمد شلبی، ڈاکٹر، مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص / ۱۰

۱۰۸۔ سوره آل عمران، آیت ۸٤، سوره بقره، آیت ۱۲٦

۱۰۹۔ سورہ الانعام، آیت ۷۱
۱۱۰۔ سورہ الانعام، آیت ۱٦۲
۱۱۱۔ سورہ الاعراف، آیت۱۸۸، سورہ یونس ٤۹،
۱۱۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۳۲
۱۱۳۔ سورہ شوریٰ، آیت ۱۳
۱۱٤۔ سورہ لقمٰن، آیت ۱۳۔۱۸
۱۱٥۔ سورہ النساء، آیت ٤۸
۱۱٦۔ سورہ لقمان، آیت ۱۳۔۱۸
۱۱۷۔ روح البیان، ۳/٥۲
۱۱۸۔ جمعة، احمد خلیل، الطفل فی ضوء القرآن و السنة، ترجمه اولاد کی تربیت، ص/٦٤۔٦٥
۱۱۹۔ مفتی اعظم هند مفتی کفایت الله صاحب رحمه الله علیه نے اسی اهمیت کے پیش نظر بچوں کے لئے تعلیم الاسلام نامی کتاب تیار کی هے جو برصغیر کے مکاتب میں نصاب کا حصه هے۔
۱۲۰۔ سورہ فاطر، آیت۳
۱۲۱۔ سورہ لقمٰن، آیت ۲۰
۱۲۲۔ سورہ التحریم، آیت٦
۱۲۳۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری کتاب النکاح باب المرأة راعیة فی بیت زوجها، صحیح مسلم کتاب الإمارة باب فضیلة الامام العادل و عقوبة الجائر اور فتح الباری، ج/۹، ص/۱۳٦، ۲۸۰، حدیث نمبر ٥۱۸۸
۱۲٤۔ النووی، محی الدین، أبو زکریا یحی بن شرف، ریاض الصالحین المکتب الاسلامی، ص/۱٥٥، حدیث نمبر۳۰٥
۱۲٥۔ سورہ طه، آیت ۱۳۲
۱۲٦۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، دارالفکر، ج/۳/۸۷، سنن أبو داؤد،

حدیث نمبر ٤٩٥

١٢٧۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج/٤/٧٨۔٧٧ اور سنن ترمذی کتاب البر والصلة باب ماجاء فی ادب الولد، ج/٥٤/٣٣٨

١٢٨۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج/٥/١٠٢

١٢٩۔ ابوعائش، عبدالمنعم ابراهیم تربیة البنات فی الاسلام مکتبة اولاد الشیخ للتراث، قاهره، ٢٠٠١ء، ص/١٥

١٣٠۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز تعلیم نمبر ١١ مرتب مسلم سجاد۔ اسلام آباد ص/١٨۔١٩

١٣١۔ محمد سلیم، پروفیسر سید۔ اسلام کا نظام تعلیم ص/١٤٢۔١٤٤

١٣٢۔ مبارکپوری، قاضی اطهر، خیر القرون کی درسگاهیں، اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، اداره اسلامیات لاهور، ٢٠٠٠ء ص/٣٥٧

١٣٣۔ سوره آل عمران، آیت ٧٩، سوره مائده، آیت ٦٣

١٣٤۔ سوره آل عمران، آیت ٧٩، سوره المائده، آیت ٤٤، سوره المائده، آیت ٦٣

١٣٥۔ سوره لقمٰن، آیت١٣

١٣٦۔ أبوعائش، عبدالمنعم ابراهیم تربیة البنات فی الاسلام، ص/٦٤

١٣٧۔ ابوعائش، عبدالمنعم ابراهیم تربیة البنات فی الاسلام، ص/٢٤

١٣٨۔ جمعه، احمد خلیل الطفل فی ضؤ القرآن والسنة، ص/١٨٣

١٣٩۔ فضل الله، سلوك الملوك مطبوعه حیدر آباد دکن ١٩٦٦ء/ ص٢٤،

١٤٠۔ کیمبل وائیلز (کالج آف ایجوکیشن فلوریڈا یونیورسٹی) بهتر تدریس بهتر مدارس، مترجم غلام رسول مهر، شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی ٢٠٠٧ء، ص/٨٠۔٨٢

١٤١۔ Gullick, Robert by Muhammad the educator. Translat Publication Lahor. 1975, P 09